بسم اللہ الرحمن الرحیم

حجِّ مَبرور

شیخ ابوبکر الجزائری

حجِّ مَبرور

شیخ ابوبکر الجزائری

النور پبلی کیشنز

نام کتاب : **حجِّ مَبرور**

مصنف : شیخ ابوبکر الجزائری

طبع اوّل : اکتوبر 2010

تعداد : 1000

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : 102-H ، گلبرگ III، فون : 0332-5545019

ای میل : alnoorint@hotmail.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

النّور کی پراڈکٹس حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

مومن کمیونیکیشنز B-48 گرین مارکیٹ بہاولپور، فون نمبر: 062-2888245

قیمت : روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

ابتدائیہ

بسم اللہ تعالیٰ وبہ استعین وصلی اللہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین وسید جمیع العالمین ،

وبعد:

میں یہ کتاب شرق وغرب کے تمام اسلامی بھائیوں کی خدمت میں پیش کرر ہا ہوں اور مجھے امیدِ واثق ہے کہ مناسکِ حج اور مسجدِ نبوی کے آدابِ زیارت، مقاصد، اغراض کی حد تک، اس میں وہ موجود پائیں گے۔ الفاظ وعبارات میں یہ ایک سادہ، آسان اور عام فہم کتاب ہے جو جامع احکام ومسائل پر مبنی اور کئی آداب وفضائل پر مشتمل ہے لہٰذا چھوٹی ضخامت اور آسان فہمی کے باوجود بڑی بڑی کتابوں، حاشیوں اور مجموعوں سے قارئینِ کرام کو یہ کتاب بے نیاز کر دیتی ہے۔

ایک ابتدائی طالبِ علم سے لے کر انتہائی عالمِ دین تک کے لئے یہ کتاب یکساں مفید ہے۔ چنانچہ کسی حکم کی پہچان اور اس کی حکمت کے بیان تک وہ کامیابی کے ساتھ پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا حجاج کرام اور زائرینِ عظام کو حج وزیارت کے دوران میں یہ کتاب اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ وہ اس میں بہترین رہنمائی پائیں گے۔

ہر کتاب میں کوئی نہ کوئی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ میری کتاب میں درج ذیل امتیازی خصائص ہیں:

(1) کتاب وسنت کے دلائل سے مزین، مسالکِ امت کی جامع اور تمام مکاتبِ فکر کو شامل ہے جس میں ہر مؤقف کے بہترین قول اور ہر رائے کی بہترین دلیل کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب گویا حقیقت وصواب کی ایک مثال ہے۔

(2) اکثر وبیشتر احکام کو دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ہر حکم کو ذکر کرنے کے بعد کتاب وسنت سے اس کی دلیل بھی رقم کر دی گئی ہے۔

(3) تمام احکام کو تفصیل کے ساتھ ایک ایک کرکے بیان کیا گیا ہے اور ہر حکم پر عمل کرنے کا طریقہ بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ میرے علم کی حد تک حج کے موضوع پر لکھی جانے والی بے شمار کتابوں میں سے کسی کتاب میں بھی یہ خصوصیت

نہیں پائی جاتی ہے۔

(4) تمام مسائل میں فقہی احکام کی تحقیق اوراصولِ فقہ کے بیان سے زیادہ روحِ عبادت اورنکتۂ اصلاح کوپیشِ نگاہ رکھا گیا ہے۔

(5) اکثر مناسکِ حج کے فلسفۂ حکمت کواللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے جہاں تک ممکن تھا بیان کردیا گیا ہے۔

(6) جودُعائیں دینی شعور کو پختہ کرتی اورانسانی روح کا تزکیہ کرتی ہیں ان کاانتخاب کرکے مناسب مقام پرانہیں رکھا گیاہے تاکہ انہیں یادکرنا یاضرورت کے وقت دیکھنا آسان ہو۔

(7) کتاب کے آغاز میں ''قانون سازی اوراسرارِشریعت'' کے عنوان سے مقدمہ بھی درج کیا گیاہے جوعبادت کی حقیقت اوراس کی حکمت سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا۔

مادہ پرستی اورانتہا پسندی کے اس دور میں یہ کتاب امتِ اسلامیہ کے لئے بہترین تحفہ ہےاورامید کی جاسکتی ہے کہ تشنگی ختم کرکےامت کے مزاج کو یہ کتاب درست کردے گی اورخیرواصلاح کے اسباب اس سےتقویت پائیں گے کیونکہ اپنی اصلاح وتربیت کی کوشش کرنااورشروفساد پرغلبہ پانے کی جدوجہد کرنا اس وقت امتِ مسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

یااللہ! اپنےفضل کے ساتھ میری کتاب کوامتِ اسلامیہ میں اس کام کااہل بنا! ہم آپ ہی سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں اورآپ ہی پرتوکل کرتے ہیں۔

وصل اللّٰهم على عبدك ورسولك محمد وآله وصحبه وسلم تسليما.

قانون سازی اوراسرارِ شریعت

تمام مسلم قارئین کومعلوم ہونا چاہیے کہ انسان کی تمام تر سعادت جسم اورروح کی اصلاح پر موقوف ہے اور جسمانی و روحانی اصلاح کا تمام تر دارومدار کسی مدبر کی مستحکم قانون سازی پر ہے اوراس قانون سازی کی مکمل ترین صورت کا انحصار اس بات پر ہے کہ قانون ساز کے علم اور تجربہ کی حدود کتنی وسیع ہیں؟ اورجن کے لیے قانون بنایا جارہا ہے، ان کے ظاہری و باطنی احوال واطوار سے وہ کتنا واقف ہے؟ تاکہ اس قانون سازی سے جسمانی وروحانی اصلاح کے وہ متوقع نتائج برآمد ہوسکیں جن پر تمام تر انسانی سعادت کا مدار ہے۔ اوراس میں کوئی شک نہیں کہ مخلوق کے موجودہ اورآئندہ تمام ظاہری اور باطنی احوال خالقِ حقیقی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے کیونکہ مخلوق کوان کے خالق سے زیادہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۴﴾ (الملک:14)

''کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا؟ اوروہ باریک بین، باخبر ہے۔''

فرمانِ ربّانی ہے:

یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِهٖ عِلۡمًا ﴿۱۱۰﴾ (طٰه:110)

''جواُن کے آگے ہے اور جوان کے پیچھے ہے وہ سب جانتا ہے۔ اوروہ سب اس کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتے۔''

چنانچہ تنہا اللہ تعالیٰ ہی قانون ساز ہیں، اس کے علاوہ کسی کو مخلوق کے لئے قانون سازی کا کوئی حق نہیں ہے اور جب قانون کا تعلق روحانی اصلاح سے ہو اس وقت خصوصاً کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش ہی سے یہ کام اپنے ذمہ پر اٹھا رکھا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾ (الرحمن:1.4)

''رحمان ہی نے قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اُس نے انسان کو پیدا کیا۔ اُسے بولنا سکھایا۔''

فرمانِ ربّانی ہے:

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ (طه:123.124)

''پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت بنے گا۔اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا تو اس کے لیے یقیناً دنیا کی زندگی تنگ ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔''

ان آیاتِ کریمہ میں بیان اور ہدایت سے مراد وہ علم وقانون ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے نازل فرمایا ہے۔ مذکورہ آیتِ مبارکہ اس قطعی حقیقت پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اس کے قانون کا اتباع نہ کرنا دراصل عذاب وشقاوت کو دعوت دینے کے مترادف ہے کیونکہ یہ قانون انسان کی سعادت کا ضامن ہے۔لہٰذا جب وہ اس پر عمل نہیں کرے گا تو سعادت مندی سے قطعاً بہرہ مند نہیں ہو پائے گا۔گویا قانونِ الٰہی پر عمل کو ترک کر دینا انسان کی بدبختی کا بنیادی سبب ہے حالانکہ یہ قانون فلاحِ انسانیت اور سعادتِ بشری کے لئے بنایا گیا ہے۔

یہ حقیقت آپ کو معلوم ہو چکی ہے کہ قانون سازی کا اختیار اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ مخلوق کے احوال کو سب سے زیادہ جانتا ہے اور اجسام وارواح کی اصلاح سے بھی کماحقہٗ واقف ہے۔وہ سب سے پہلے مخلوق کا ربّ ہے اور ربّ اس ذات کا نام ہے جو اپنے زیرِ کفالت کی اصلاح کا ذمہ اٹھاتا ہے اور ان کے لئے وہ قوانین مقرر کرتا ہے جو ان کی حیات کے محافظ ہوتے ہیں اور وہ قواعد متعین کرتا ہے جو ان کی سعادت کے ضامن ہوتے ہیں۔اس حقیقت کے بعد ان تمام قوانین کا فساد وبطلان آپ کو معلوم ہو جانا چاہیے جن کو مخلوق پر اللہ تعالیٰ نے نہ مقرر کیا ہے اور نہ ہی اس کی اجازت دی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ (شوریٰ:21)

''جنہوں نے اُن کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی؟ اگر فیصلے کی بات نہ ہوتی تو اُن کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔''

قانون سازی ایک جرم ہے جن کی شناعت آپ پر واضح ہو چکی ہے اور آج اس جرم کا ارتکاب وہ حضرات کر رہے ہیں جو اپنے حال و استقبال کے تمام امور میں قانونِ الٰہی سے اعراض کر کے انسان کے خود ساختہ جاہلی قوانین کی جانب رجوع کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت بڑی وسیع اور اس کی جلالت بہت عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے جن قوانین کا تعلق انسانی جسم کی اصلاح کے ساتھ ہے وہ اَکل و شرب اور نکاح و زنا کی ممنوعات پر مشتمل ہیں۔ انسان کی جان، اس کے مال، اس کی عزت، اس کی عقل اور اس کے دین کے لئے ضرر رساں اور فساد رَس اشیاء بھی انہی حرمتوں سے متعلق ہیں۔ یہ پانچ بنیادیں وہ ہیں جن کے تحفظ و دفاع پر تمام شرائع کا اتفاق رہا ہے۔ انہی کی حفاظت کے لئے مناسب بدنی سزائیں اور مالی جرمانے بھی عائد کر دیئے گئے ہیں اور یہ تمام بندوبست انسان کو سعادت بہم پہنچانے اور شقاوت سے بچانے کے لئے کیا گیا۔

اور جن قوانینِ الٰہی کا تعلق انسانی روح کی اصلاح کے ساتھ ہے ان کا مدار وہ اعمال و وظائف ہیں جن کو عبادت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا اور انہیں فعلاً بجالانے کا حکم دیا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عمرہ وغیرہ اس میں شامل ہیں۔ روح کا معاملہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے امر سے متعلق ہے لہٰذا انسان جسے بہت ہی قلیل علم دیا گیا ہے، روح کی حقیقت سے ناواقف ہی رہتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (الاسراء:85)

''اور وہ آپ سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں رُوح میرے ربّ کا امر ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حقیقت کا علم انسان کے بس میں ہی نہیں ہے کہ انسانی روح کی پاکیزگی کس بات میں مضمر اور اس کی پراگندگی کس شے میں پوشیدہ ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نماز کی سی عبادت اگر مقرر نہ کرتا تو ہماری عقل یہ رسائی نہ کر پاتی کہ نماز میں تزکیۂ نفس اور قربِ الٰہی کا سامان رکھ دیا گیا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار نہ دیا ہوتا تو ہم قطعاً یہ نہ جان سکتے کہ زنا سے نفس میں خباثت و دَناست پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار اقوال و اعمال کی مثال دی جا سکتی ہے جو تزکیۂ نفس کی بنیاد یا فسادِ روح کی اساس ہیں۔ یہ تمام احکامات اللہ تعالیٰ کی حکمت سے متعلق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی مشیت کے تابع ہوتی ہے۔ مخلوقات کے بارے میں یہ اللہ تعالیٰ کی وہ سنت ہے جو تبدیل نہیں ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے پانی اتارا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اس سے جسم کا میل صاف کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک سنت بنایا

ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہوسکتی ہے۔ بالکل ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لئے مقرر کردہ اقوال وافعال بھی نازل فرمائے ہیں اوران میں حکمت یہ ہے کہ اس سے نفس کی پراگندگی زائل اورروح کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔لہٰذا جسم کی صفائی کے لئے پانی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت جیسے تبدیل نہیں ہوتی بالکل اسی طرح عبادت میں بھی اس کی یہ سنت تبدیل نہیں ہوتی ہے بلکہ اس سے نفس کی آلودگی زائل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ یہ ایک انتہائی غیر معقول مقدمہ ہوگا کہ پانی تو ظاہری گندگی کو ختم کردیتا ہے مگر عبادت سے باطنی پراگندگی زائل نہیں ہوسکتی، حالانکہ دونوں کا مقصد طہارت ہے اور جو شخص ان دو میں فرق رَوا رکھتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی سنت کو تبدیل کرنے کے درپے ہے جبکہ ارشادِ الٰہی ہے:

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ (فاطر:43)

''چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ کے دستور کو بدلتا ہوا نہ پائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے دستور کو ٹلتا ہوا نہ پائیں گے۔''

جب عبادت ناقص ادا کی جاتی ہے تو اس کی خاصیت بھی ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ عبادت میں شاید تزکیۂ نفس اور تطہیرِ روح کی تاثیر نہیں ہے۔ آج کل یہی حالات ہیں حالانکہ عبادت اگر کامل انداز میں ادا کی جائے تو اس کی تاثیر بھی حاصل ہوجاتی ہے۔ مثلاً غسل کے وقت پانی اگر اچھے طریقے سے استعمال نہیں کیا جائے گا تو اس سے صفائی حاصل نہیں ہوگی۔ خاص طور پر جب پانی میں ایسی چیز ملادی جائے جو پانی کی طبیعت ہی سے میل نہیں کھاتی، اس وقت پانی اپنی خاصیت بالکل ہی کھو دیتا ہے۔ عبادت کی مثال بھی یہی ہے کہ جب اس میں شرک یا رِیا کی آمیزش ہوجاتی ہے تو طہارت کی افادیت بھی اس سے گم ہوجاتی ہے بلکہ عبادت کے برعکس یہ گناہ بن جاتا ہے جو نفس کو آلودہ اور روح کو پراگندہ کردیتا ہے۔

ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کی جسمانی اور روحانی اصلاح کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ شریعت پر عمل پیرا ہونے میں ہے جو اس نے بندوں کی جانب نازل کی ہے۔ لہٰذا انسانی شرف وسعادت کی قلت وکثرت بھی احکامِ شریعہ کے مطابق عمل پیرا ہونے کی مقدار پر موقوف ہے۔ عبادت کی جو اقسام اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہیں، وہ اپنے اندر تزکیۂ وتطہیر کی اس وقت تک کوئی تاثیر نہیں رکھتی ہیں جب تک انہیں اپنے تمام تر متعلقات ولوازم کے ساتھ بہ تمام وکمال انداز میں ادا نہیں کیا جاتا ہے۔ یہاں بدعت کا نقصان اور اہلِ بدعت کی غلطی بھی ہم پر واضح ہوجاتی ہے جس کو دین وعبادت میں شامل کردیا گیا ہے۔ بدعت کے ارتکاب سے اگرچہ تزکیہ وتطہیر جیسے نتیجہ کی امید رکھی جاتی ہے لیکن یہ فائدہ ایک بدعتی شخص کو کبھی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ بدعت سے نفس پراگندہ ہو نہ ہو، روح کی پاکیزگی بہرحال میسر نہیں آتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو؟ خالقِ کائنات اہلِ

بدعت کے ان اعمال کو چھوڑ دیتا ہے جنہیں اس نے مقرر نہیں کیا اور جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے شرعاً مقرر نہیں کیا وہ تطہیر کی اس روح سے بالکل خالی ہوتا ہے جو اس کی مقرر کردہ عبادت کی مختلف اقسام میں رکھ دی گئی ہے۔لہٰذا بدعت ایک قبیح عمل ہے اور بدعتی شخص اس سے بھی قبیح ترین ہے۔اس کے بارے میں کم از کم یہی کہا جا سکتا ہے کہ شریعت میں یہ اللہ تعالیٰ سے جھگڑتا یا اس کی ذاتِ گرامی پر افتراء پردازی کرتا ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (الصف:7)

''اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتا ہے۔''

بدعتی دراصل اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں وہ بات لگاتا ہے جو اس نے نہیں کہا ہے اور جس بات کا علم ہی نہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا بہت بڑا افساد ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۱۶۹﴾ (البقرہ:169)

''اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تم وہ باتیں کرو جن کا تمہیں علم ہی نہیں ہے۔''

سیاقِ کلام میں اس آیتِ کریمہ کا تعلق مفاسد کے ان امور کے ساتھ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ بلاشبہ بدعت کرنے والا شخص علم کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ کے ذمے باتیں لگاتا رہتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو اللہ تعالیٰ سے اس کے حقِ تشریع میں جھگڑتا یا بدعت کو دین باور کرا کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے جو بدعت کرتا یا بدعتی کو پناہ دیتا ہے۔'' (احمد:959)

(**حاشیہ**: جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مَّا بَيْنَ عَائِرٍ اِلٰى كَذَا مَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا ، اَوْ آوَى مُحْدِثًا ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ (بخاری:1870)

''مدینہ عائر پہاڑی سے لے کر فلاں مقام تک حرم ہے۔جس نے اس حد میں کوئی بدعت نکالی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام ملائکہ اور انسانوں کی لعنت ہے، نہ اس کی کوئی فرض عبادت مقبول ہے نہ نفل۔'')

بدعت چونکہ نفس کو پراگندہ بنا دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا نام گمراہی رکھا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّ کُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (ابو داؤد:4607)

''ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا (مسلم:2005)

''بدعات بدترین اعمال ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ دین میں اضافہ بھی دین میں کمی کی مانند ہی ہے اور کمی بیشی میں سے ہر دو چیزیں دین کو اس کی حقیقت سے نکال باہر پھینکتی ہیں اور اس میں سے اصلاح کی طاقت اور تطہیر کا مادہ سلب کر جاتی ہیں۔ لہٰذا ہر وہ دینی عمل جس کا تعلق عبادت سے ہو، جب تک اس پر اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کی مہر نہیں ہوگی، وہ عمل باطل ہوگا، مردود ہوگا اور ایسا عمل مقبول بھی کیونکر ہوسکتا ہے؟ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا فَھُوَ رَدٌّ (احمد:26721)

''جو شخص ایسا عمل کرتا ہے جو ہمارا حکم نہیں ہے وہ نا قابل قبول ہے۔''

اور فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا ما لَیْسَ فِیهِ فَھُوَ رَدٌّ (بخاری:2697)

''جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نیا کام کرتا ہے وہ ردّ کے قابل ہے۔''

اور فرمایا:

کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَکُلُّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ (نسائی:1579)

''ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں ہے۔''

چنانچہ جن عبادات پر اللہ یا رسول کا حکم نہیں ہوگا وہ روح کی تطہیر اور اصلاح نہیں کر سکتی ہیں اور جو احکام جسمانی اصلاح کے لئے مقرر ہوتے ہیں ان پر اگر اذنِ الٰہی یا حکمِ رسول نہیں ہوگا، وہ کسی طور بھی جسمانی اصلاح نہیں کر سکتے ہیں۔ لہٰذا جو احکام امن کے قیام سے متعلق ہیں ان سے امن قائم نہیں ہوسکتا اور جو عدل کی فراہمی سے متعلق ہیں ان سے عدل فراہم نہیں کیا جاسکتا اور جنہیں انسدادِ دہشت گردی کے لئے بنایا گیا ہے ان سے دہشت گردی کا خاتمہ ممکن نہیں ہے اور جو فحاشی کے خاتمے کا

ضابطہ ہیں ان سے فحاشی مزید فروغ پاتی جارہی ہے۔

یہاں سوال کیا جاسکتا ہے کہ ایسا کیوں ہورہا ہے؟ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کو دوبارہ کہے دیتا ہوں کہ مخلوق کے حالات، اس کی حاجات اور زندگی کے مطالبات کو خالق اور ربّ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ چنانچہ جو قوانین اس نے مقرر کر دیئے یا جو احکام ارشاد فرمائے ہیں وہ نہایت ہی مناسب ہیں۔ ان سے مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔ ان کے علاوہ اصلاحِ احوال ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قوانین میں اصلاح اور تطہیر کی وہ قوت پائی جاتی ہے جو غیر اللہ کے قوانین میں نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسباب اور مسببات کے خالق ہیں جبکہ غیر اللہ میں یہ صفت نہیں ہوتی ہے۔

ماقبل کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ

(1) قانون سازی تنہا اللہ تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ وہ ربّ ہے اور ربّ وہ ہوتا ہے جو اپنے زیرِ تربیت کے لئے ان کے مناسبِ حال قوانین واعمال مقرر کرتا ہے اور اس نہج پر ان کی جسمانی اور روحانی تربیت کرتا ہے کہ وہ دنیا وآخرت میں سعادت مندی سے بہرہ مند ہوسکیں۔

(2) انسانیت کی جسمانی وروحانی اصلاح احکامِ الٰہیہ پر موقوف ہے اور سعادت وکامرانی اسی اصلاح کے تابع ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ تمام قوانینِ شریعت اور اعمالِ عبادت میں جسمانی اصلاح کی طاقت اور روحانی تطہیر کی قوت پائی جاتی ہے جیسے پانی میں نظافت کا مادہ موجود ہوتا ہے۔

(4) تزکیۂ نفس اور تطہیرِ روح کے لئے تاثیر کا تمام تر مدار عبادت کی کامل ترین شکل میں ادائیگی پر ہے۔

(5) دین میں بدعت ایک قبیح فعل ہے اور بدعت کرنے والا شخص ایک قبیح ترین آدمی ہے۔

(6) بدعت سے تزکیۂ نفس اور تقربِ الٰہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس میں نفس کی خرابی اور اللہ تعالیٰ سے دوری پائی جاتی ہے۔

(7) قوانینِ الٰہی پر قوانینِ انسانی کو ترجیح دینا بہت بڑا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرنا جن کو اصلاح وسعادت کے لیے مقرر کیا گیا ہے، اس امت میں شر وفساد اور مصیبت پیدا کرتا ہے۔

(8) احکامِ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کی جسمانی اور روحانی اصلاح ہوجائے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کے لئے انسان کو تیار کیا جاسکے۔

(9) انسان کی کامیابی اور ناکامی کی بنیاد نفس کے پاکیزہ یا پراگندہ ہونے پر ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس:9.10)

''یقیناً کامیاب ہوگیا وہ جس نے اُسے پاک کیا۔ اور یقیناً نامراد ہوا وہ جس نے اُسے دبا دیا۔''

(10) ایمان وعمل سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے جبکہ شرک ومعاصی سے نفس میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اس بات سے آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہی شریعت کا راز اور دین کی روح ہے۔ یہ وہ حکمت ہے کہ جس کو حاصل ہوگئی، اس کو بہت زیادہ بھلائی دے دی گئی۔

حج اور اس کے مناسک

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے تزکیۂ نفس اور تطہیرِ روح کے لیے جو مشروع کیا ہے ان میں سے ایک عظیم عبادت اس کے معزز گھر کا حج کرنا بھی ہے۔

''حج'' اور ''مناسک'' کا معنی و مفہوم

گرامر کی رو سے حج مصدر ہے جس کے ''حا'' پر زبر اور زیر دونوں پڑھی جاتی ہیں۔ جب کوئی شخص کسی جگہ کا ارادہ کرتا ہے اس پر حج کا استعمال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا حج کا اصطلاحی مطلب ہے:

''خاص عبادت کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کا ارادہ کرنا حج کہلاتا ہے۔ یہ عبادت خانۂ کعبہ کے طواف، صفا مروہ کی سعی، عرفات کے وقوف، مزدلفہ کے قیام اور شیاطین کی رَمی وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔''

مناسک جمع کا صیغہ ہے۔ اس کی واحد منسک ہے اور منسک سے مراد وہ مقام ہے جہاں نسک کا عمل کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہر عبادت کو منسک کہتے ہیں تاہم حج کے خاص اعمال پر اس کا استعمال ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی دُعا میں یہی کلمہ ذکر کیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ (البقرہ:128)

''اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا۔''

نیز فرمانِ ربّانی ہے:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ ۔(البقرہ:200)

''پھر جب تم اپنے حج کے اعمال پورے کر چکو۔''

بعض دفعہ اس ذبح کو بھی نسک کہتے ہیں جو قربِ الٰہی کے لئے کیا گیا ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ (الانعام:162)

''کہہ دو: میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔''

ارشادِ ربّانی ہے:

فَفِدْیَةٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (البقرہ:196)

''تو روزے، صدقے یا قربانی میں سے فدیہ ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

قُوْمِي فَاشْهَدِیْ اَضْحِیَتَکِ وَقُوْلِی : اِنَّ صَلَاتِی وَنُسُکِیْ (سنن الکبری بھیقی، الدر المنثور، قرطبی، تفسیر قرطبی 155/7)

''اٹھو اور اپنی قربانی کے پاس جاکر ان صلوتی و نسکی پڑھو۔''

ان جگہوں میں نسک کو اس ذبح کے لئے استعمال کیا گیا ہے جس سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

حج کی تاریخ اور اس امت پر اس کی فرضیت کا بیان

جناب ابراہیم خلیل علیہ السلام کے دور سے حج کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ تحقیق کے مطابق سب سے پہلے انہی نے خانۂ کعبہ کی بنیاد رکھی اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ اس کا طواف کیا اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ آپ ہمیں حج کے اعمال سکھا دیجیے۔ اس سے متعلق ارشادِ الٰہی ہے:

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾ (البقرہ:127.128)

''اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے (تو انہوں نے دُعا کی:) اے ہمارے ربّ! ہم سے قبول فرما، یقیناً تو سب کی سننے والا، سب کو جاننے والا ہے۔ اے ہمارے ربّ! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسلوں میں سے اپنی فرمانبردار اُمّت اُٹھا اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہمیں معاف فرما، یقیناً تو بڑا معاف کرنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے۔''

ہم جانتے ہیں کہ یہاں سے اللہ تعالیٰ نے مناسکِ حج کو اولادِ اسماعیل علیہ السلام کے لئے عبادت بنا دیا اور عرب میں اسلام کی آمد تک یہ عبادت باقی رہی۔ تاہم عرب نے جب توحید کا سبق بھلا دیا اور شرک کرنا شروع کر دیا تو اس کے زیرِ اثر دیگر اعمال میں بھی تحریف و تغیر رونما ہونا شروع ہو گیا۔ کیونکہ جب کوئی قوم فساد کرتی ہے تو اس کے اثرات ہر جگہ مرتب ہوتے ہیں۔ عرب بھی اس معاملہ میں دیگر اقوام کی مانند ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (البقرہ:199)

''پھر تم وہیں سے واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں۔''

اور فرمایا:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرہ:200)

''تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے تم اپنے آباء و اجداد کا ذکر کیا کرتے تھے یا اُس سے بھی زیادہ ذکر۔''

اللہ تعالیٰ کے یہ فرامین نہایت واضح انداز میں نشاندہی کر رہے ہیں کہ حج کی عبادت اسلام سے قبل بھی موجود تھی لیکن جہاں عرب کے تمام حجاج قیام کیا کرتے تھے قریش وہاں قیام نہیں کرتے تھے اور جہاں سے تمام لوگ لوٹ کر آتے تھے قریش وہاں نہیں جایا کرتے تھے لیکن جب اسلام نے حج کو فرض کیا تو تمام مسلمانوں کو وقوف و اِفاضہ میں مساوات کا حکم دے دیا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (البقرہ:199)

''پھر تم وہیں سے واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں۔''

حج میں ایک جگہ پر جمع ہو کر عرب اپنے آباء و اجداد کے فخر اور اَحساب و اَنساب کے شرف کا ذکر کیا کرتے تھے لیکن اسلام نے یہ حکم دیا کہ مسلمان آباء کے بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کریں جو حقیقی فضل و نعمت والا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرہ:200)

''تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے تم اپنے آباء و اجداد کا ذکر کیا کرتے تھے یا اُس سے بھی زیادہ ذکر۔''

تاریخ میں یہ ثابت ہے کہ ایامِ حج میں پہلے پہل دعوتِ اسلام کے لئے عرب کی انہی مجلسوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔

امتِ محمدیہ ﷺ پر حج کب فرض کیا گیا؟ اس کے بارے میں جمہور علماء کہتے ہیں کہ 9ھ کو حج فرض کیا گیا جب رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے لئے امیرِ حج مقرر فرمایا تھا اور 10ھ کو رسول اللہ ﷺ نے خود امت کے ساتھ حج کیا جس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ جمہور نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حج کی فرضیت کا سال 9ھ کا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حج اسلام سے قبل ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے دور ہی سے فرض تھا اور اسلام نے اس کو مجموعی طور پر باقی رکھا لیکن اس کی فرضیت کے لئے تاکیدی فرمان نازل ہوا:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران: 97)

''اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ اور جو انکار کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے''۔ (آل عمران:97)

فرضیت پر یہ ایک واضح آیت ہے۔ اس کے علاوہ کسی آیت سے بھی حج کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ غزوۂ اُحد کے فوراً بعد آلِ عمران کی جو آیتیں نازل ہوئیں، یہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔ غزوۂ اُحد کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ 4ھ کو واقع ہوا تھا۔ لہٰذا یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ حج 9ھ سے قبل ہی فرض تھا لیکن اس پر عمل 9ھ میں کیا گیا ہے کیونکہ اس عرصے میں مکہ قریش کے زیرِ نگیں تھا اور مسلمانوں کے لئے اس عظیم عبادت کی ادائیگی ممکن نہ تھی حتیٰ کہ جب انہوں نے عمرہ کا ارادہ کیا تو کفار نے انہیں مسجدِ حرام سے روک دیا۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ (الفتح:25)

''وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجدِ حرام سے روک دیا۔ اور قربانی کے وقف جانوروں کو بھی کہ وہ اپنی قربان گاہ پر نہ پہنچیں۔''

چنانچہ مسلمانوں کے عجز نے ان سے یہ فریضہ ساقط کر دیا جیسے عجز ایک مسلمان سے فریضہ حج کو ساقط کر دیتا ہے لیکن جب 8ھ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ پر فتح دی تو آپ ﷺ نے فوراً فریضۂ حج کی ادائیگی کا حکم دے دیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر مقرر کیا چنانچہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر 9ھ کو حج ادا کیا۔ یہ فتحِ مکہ کے متصل بعد کے سال کا واقعہ ہے۔

فرضیتِ حج اور وجوبِ عمرہ کے دلائل

قرآنِ کریم میں فرضیتِ حج کی سب سے واضح دلیل یہ آیتِ کریمہ ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران:97)

''لوگوں میں سے جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا حج کرنا اس پر فرض ہے۔''

جبکہ حدیثِ مبارکہ میں فرضیتِ حج کے بے شمار دلائل ہیں جن میں سے ایک فرمان وہ بھی ہے جو آپ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا:

اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (مسلم:93)

''اسلام یہ ہے کہ آپ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ آپ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، رمضان کے روزے رکھیں اور بیت اللہ کا حج کریں اگر اس راہ کی استطاعت ہو۔''

رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ : شَهَادَةِ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ (بخاری:8)

''اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر اٹھائی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، اور زکوۃ دینا، اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

حج کی فرضیت پر سب سے قوی دلیل امت کا اجماع ہے چنانچہ اس عبادت کا انکار صریح کفر کو شمار کیا جائے گا جس پر مباحثہ کی قطعاً گنجائش نہیں دی جاسکتی ہے۔

عمرہ کا بیان

لغت کی رُو سے عمرہ زیارت کو کہتے ہیں اور شریعت میں طواف، سعی اور حلق جیسے خاص اعمال کی بجا آوری کے لئے بیت

اللہ کی زیارت عمرہ کہلاتی ہے۔حج اور عمرہ میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ عمرہ کی ادائیگی کا وقت محدود نہیں ہے بلکہ اس میں وسعت پائی جاتی ہے چنانچہ سال میں کسی بھی وقت عمرہ ادا کرنا صحیح ہوگا لیکن حج میں ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا وقت بھی محدود ہے اور اس کے مہینے بھی معلوم ہیں۔ارشادِ الٰہی ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ (البقرہ:197)

''حج کے مہینے معروف ہیں''۔

ان میں شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے ابتدائی آٹھ دن مراد ہیں۔

(حاشیہ: حج میں معلوم مہینوں کا مطلب یہ ہے کہ حج کا احرام انہی مہینوں میں باندھا جاسکتا ہے۔یہ تین مہینے دراصل ان حجاج کرام کی آسانی کے لئے مقرر ہیں جو دور دراز کے علاقوں سے پیدل سفر کر کے آیا کرتے تھے اور حج کے محدود وقت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مناسک کو 8 تا 13 ذوالحجہ تک کے پانچ دنوں ہی میں ادا کیا جاسکتا ہے۔مترجم)

وجوبِ عمرہ میں اختلاف

ائمۂ دین کے مابین عمرہ کے وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔اکثر علماء کے نزدیک عمرہ واجب نہیں ہے بلکہ یہ سننِ واجبہ میں سے ایک سنت ہے جبکہ حنبلی فقہاء کے نزدیک عمرہ واجب ہے۔ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے:

عَنْ أَبِیْ رَزِيْنٍ الْعُقَيلِی أَنَّهُ اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ ! اِنَّ أَبِیْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَايَسْتَطِيعُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ ، وَلَا الظَّعْنَ قَالَ : ''حُجَّ عَنْ أَبِيْکَ وَاعْتَمِرْ''. (ترمذی:930)

بنو عامر کے ایک شخص ابورزین نے بیان کیا کہ وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے والد بہت بوڑھے ہیں حج وعمرہ کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ سواری پر سوار ہو سکتے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے باپ کی طرف سے حج کرو اور عمرہ (بھی۔)''

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا:

قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ! عَلَی النِّسَآءِ جِهَادٌ ؟ قَالَ : ''نَعَمْ ! عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيْهِ :

اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ'' (ابن ماجه:2901)

میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا عورتوں پر بھی جہاد فرض ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں! ان پر ایسا جہاد فرض ہے جس میں جنگ نہیں ہوتی وہ حج اور عمرہ ہے۔''

عمرہ کو واجب کہنے والوں کی ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرہ:196)

''اور حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو۔''

لیکن عمرہ میں عدم وجوب کے قائلین کا خیال ہے کہ اس آیتِ کریمہ کا عمرہ کے وجوب یا عدم وجوب سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس میں حج کا یا عمرے کا یا حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھنے والے شخص سے ایک قسم کا مطالبہ پایا جاتا ہے کہ حج و عمرہ کے عمل کو خالصاً رضائے الٰہی کے لئے انجام دیا جائے اور ان میں شرک کا شائبہ یا رِیا کی آمیزش تک نہ آنے دی جائے حتیٰ کہ یہ عمل پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے۔ مثلاً حج اور عمرہ کو شروع کرنے کے بعد درمیان ہی میں چھوڑ دینا جائز نہیں ہے یا میقات سے گزر جانے کے بعد احرام باندھنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ تمام اُمور اس عبادت کے تمام وکمال کے منافی ہیں بالکل ایسے ہی رِیا بھی اِتمامِ حج اور کمالِ عمرہ کے منافی ہے لہٰذا اس سے اجتناب کی آیتِ کریمہ میں ترغیب دلائی جا رہی ہے۔

یہاں ایک اہم بات کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے کہ جو علمائے کرام عمرہ کو غیر واجب کہتے ہیں ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عمرہ کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا ہے یا اس میں تزکیۂ نفس کا سامان نہیں ہے یا اس سے قربِ الٰہی نصیب نہیں ہوتا! نہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ وہ علماء حج کی مانند عمرہ کو بھی قربِ الٰہی کی بڑی بڑی اقسام میں شمار کرتے ہیں۔ اس کی دلیل میں یہی کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود چار دفعہ عمرہ کیا ہے۔ تین بار الگ الگ صرف عمرہ کیا جبکہ چوتھی مرتبہ آپ ﷺ نے حج کے ساتھ عمرہ ادا کیا۔

اس اختلاف کا فائدہ اس وقت سامنے آتا ہے جب سفر سے عاجز کسی بیمار شخص کا مسئلہ زیرِ بحث ہوتا ہے۔ لہٰذا جن علماء کے نزدیک عمرہ واجب ہے ان کے مطابق کوئی دوسرا آدمی بیمار کی نیابت میں لازماً عمرہ ادا کرے گا، یا بیمار اگر وفات پا گیا اور عمرہ کی وصیت نہ کر سکا تو ترکہ کی تقسیم سے قبل مال میں سے اس کی جگہ عمرہ ادا کیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں عمرہ ایک قرض ہے جس کی ادائیگی بہت ضروری ہے۔

اور جن علماء کے نزدیک عمرہ واجب نہیں ہے وہ نیابت میں بھی عمرہ کو لازمی قرار نہیں دیں گے لہٰذا صاحبِ فراش اگر وفات پا جائے گا تو اس کے ورثاء پر یہ فرض عائد نہیں ہوگا کہ وہ میت کی طرف سے عمرہ ادا کریں۔

حج اور عمرہ ایک ہی دفعہ واجب ہے

ائمۂ کرام کے مابین اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حج اور عمرہ زندگی میں انسان پر ایک دفعہ ہی واجب ہیں اور جو شخص ایک سے زائد مرتبہ ان کو ادا کرتا ہے اس کا یہ عمل مستحب شمار ہوگا جس پر ثوابِ کبیر اور اجرِ عظیم کی امید کرنی چاہیے لیکن جو شخص حج یا عمرہ کی نذر مانتا ہے اس پر یہ واجب ہو جاتا ہے خواہ دس بار نذر مان کر ہی خود پر واجب کرتا رہے۔ زندگی میں حج و عمرہ کے صرف ایک دفعہ واجب ہونے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے سوال کیا اور کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا حج ہر سال (ادا کرنا فرض) ہے یا (زندگی میں) ایک ہی بار؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلکہ ایک ہی بار (فرض ہے۔) پھر جسے طاقت ہو وہ نفلی حج ادا کر لے۔'' (ابن ماجہ:2886)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَالَ : أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا . فَقَالَ رَجُلٌ : أَكُلَّ عَامٍ ؟ يَا رَسُوْلَ اللهِ ؟ فَسَكَتَ ، حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : لَوْ قُلْتُ : نَعَمْ ، لَوَجَبَتْ ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ (مسلم:3257)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: ''اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے پس تم حج کرو۔ ایک آدمی نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہر سال حج فرض کیا گیا ہے؟'' آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ اس نے آپ ﷺ سے تین مرتبہ عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں کہتا: ہاں! (تو ہر سال حج) واجب ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔''

حج جلدی کرنا چاہیے یا اس کو مؤخر بھی کیا جا سکتا ہے؟

ائمۂ کرام کے مابین اس مسئلے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ حج کیا فوراً ہی واجب ہو جاتا ہے یا اس کو ادا کرنے میں تاخیر کی جا سکتی ہے؟

جمہور علمائے کرام وجوب کے فوراً بعد ہی اس کو ادا کرنے کے قائل ہیں۔ اپنے مؤقف کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ہر فریق کے پاس دلائل موجود ہیں لیکن اس اختلاف کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔ لہٰذا جس شخص کو ایسا عذر لاحق ہو جائے جو اس فریضہ کی ادائیگی میں ہی حائل ہو، اس کو حج مؤخر کرنے پر ملامت نہیں کی جائے گی بلکہ وہ مناسب وقت کا انتظار کرے گا جس میں وہ یہ فریضہ ادا کر سکے لیکن جس شخص کو ایسا کوئی عذر درپیش نہیں ہے وہ پورا ایک سال کیوں انتظار کرتا ہے؟ کیا وہ مکمل ایک سال زندہ رہنے کی گارنٹی دے سکتا ہے؟ اگر وہ زندگی کی گارنٹی نہیں دے سکتا تو تاخیر کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے بلکہ عذر کے فوراً بعد حج ادا کرنا مباح ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

تَعَجَّلُوْا اِلَى الْحَجِّ يَعْنِى الْفَرِيْضَةَ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَايَدرِى مَا يَعرِضُ لَهُ (احمد:2869)

''حج میں جلدی کرو کیونکہ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ کل کیا مسائل ہوں گے۔''

اور فرمانِ رسول ﷺ ہے:

مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ ، فَاِنَّهُ قَدْ يَمْرَضُ الْمَرِيضُ ، وَتَضِلُّ الضَّالَّةُ ، وَتَعْرِضُ الْحَاجَةُ

(ابن ماجه:2883)

''جو حج کی استطاعت رکھتا ہو اسے جلدی کرنا چاہیے کیونکہ بیماری طول پکڑ سکتی ہے، سواری گم ہو سکتی ہے یا ضرورت پیش آ سکتی ہے۔''

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ كُسِرَ اَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهَ حَجَّةٌ اُخْرٰى (ترمذی:940)

''جس کا کوئی عضو ٹوٹ گیا یا لنگڑا ہو گیا اور وہ احرام حج کا باندھ چکا تھا تو اس کا احرام کھل گیا تو اس پر دوسرے سال حج واجب ہے۔'' (ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے)

جوائمۂ کرام حج کی فوراً ادائیگی کے وجوب کے قائل ہیں، اگر انہوں نے ان احادیث کی تاویل نہ کی ہوتی تو حج کی فوراً ادائیگی کے وجوب کا فیصلہ ہو جاتا اور اختلاف باقی نہ رہتا۔ بہر حال ایک مومن کا دل جس بات پر مطمئن ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ حج کو واجب ہونے کے فوراً بعد ہی ادا کیا جانا چاہیے جب تک کوئی معقول عذر درپیش نہ ہو اور اگر عذر لاحق ہو جائیں تو ان کے طبعی خاتمے تک انتظار کیا جائے گا خواہ سال ہا سال تک عذر ختم نہ ہوں۔

حج کی تاخیر میں عذر

یہ آیتِ قرآنیہ حج کے فرض کو صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران:97)

''اورلوگوں میں سے جواس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہواللہ تعالیٰ کے لئے اس کا حج کرنا اس پر فرض ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ میں حج کی فوراًادائیگی کوختم کرنے والے عذر نہ صرف اشارتاً بلکہ صراحتاً بیان ہوئے ہیں لیکن ان کا ذکر مختصراً کیا گیا ہے جوتفصیل کا تقاضا کرتا ہے۔رسول اللہ ﷺ سے اس اجمال کی تفصیل میں محض ایک حدیث نقل ہوئی ہے جس میں سائل کوسبیل کا مطلب بیان کرتے وقت آپ ﷺ نے زادِراہ اورسواری کا ذکر کیا تھا۔ یہ کل دوروایتیں ہیں جن میں سے ایک دارقطنی اوردوسری ابن ماجہ میں مرقوم ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا:

قَامَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ ! مَا يُوْجِبُ الْحَجَّ ؟ قَالَ : اَلزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ . (ابن ماجه:2896)

ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیااوراس نے کہا:یارسول اللہ ﷺ !حج کوکون سی چیز واجب کرتی ہے؟ فرمایا:''زادِراہ اورسواری۔''

اس پرمستزاد یہ ہے کہ خود(الزاد والراحلة) کے الفاظ ایک مجمل سی دلیل ہے جو بذاتِ خود تفصیل طلب ہے۔لہٰذا جب ہم سوال کرتے ہیں کہ زادِراہ کیا ہو؟اس کی مقدار کتنی ہو؟اس کی نوع کون سی ہو؟ سواری کا مطلب کیا ہے؟اس کی کون سی قسم مراد ہے؟ توفقہائے امت نے ان مجمل الفاظ کوشرح وبسط کے ساتھ بیان کردیا ہے کہ:

''زاد'' سے مراد ہے گھر میں واپس آنے تک حاجی کا سفرخرچ ہونا چاہیے،اہل وعیال کے نان ونفقہ کا انتظام ہونا چاہیے اوراس پرقرض،زکوٰۃ،نذریا کفارہ کی کوئی رقم نہیں ہونی چاہیے۔اور''راحلة'' سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس پیدل چلنے یا سوارہونے کی طاقت ہولیکن راستے کی امن وسلامتی کے باوجود پیدل سفرکرنا اگرممکن نہ ہوتو سواری کا وجود بھی ضروری ہے۔

چنانچہ ان میں سے اگرکوئی عذرلاحق ہے توحج اس وقت تک واجب نہیں ہوتاجب تک عذرختم نہیں ہوجاتا اور جونہی عذر

ختم ہوگا حج کی فوراً ادائیگی واجب ہو جائے گی تا کہ مزید کوئی رکاوٹ اس کی ادائیگی میں حائل نہ ہو۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ اکثر لوگ خیال کرتے ہیں کہ قرض کی رقم لے کر حج ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ بالکل غلط تصور ہے کیونکہ آدمی پر اگر قرض ہوگا تو اس سے حج یا عمرہ کا وجوب ساقط ہو جائے گا لیکن وہ حج کے لئے قرض پر کسی سے اگر رقم حاصل کرتا ہے یا اپنی ذاتی رقم سے حج کرتا ہے اور قرض نہیں چکا تا مگر نیت میں قرض ادا کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کا حج صحیح ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوگا۔ البتہ قرض کی رقم اس کے سر ہے اور جونہی مدت پوری ہوگی یا فراخی آئے گی قرض ادا کیا جائے گا۔

عورت کے لیے محرم کی عدم موجودگی کا عدم استطاعت سے تعلق؟

کسی غیر محرم مرد کے لئے عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ تعلیماتِ نبویہ ﷺ سے اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ فتنے سے بچاؤ کے لئے اس کی قدرے تاکید کی گئی ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ (بخاری:5233)

''کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ بغیر اس کے محرم کے ہرگز تنہا نہ ہو۔''

خلوت گزینی کی یہ حرمت محض مرد کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ کسی عورت کے ساتھ بھی محرم کے بغیر عورت کا تنہائی اختیار کرنا حرام ہے۔ جب حقیقت یہ ہے تو کسی عورت کے لئے محرم کے بغیر فریضۂ حج ادا کرنے کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟ لٰہذا جواب یہ ہے کہ محرم کے ساتھ ہی کوئی عورت حج کر سکتی ہے اور محرم اگر موجود نہیں ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس عذر کی بنا پر عورت سے فریضۂ حج ساقط ہو جائے گا اور محرم کی موجودگی سے یہ عذر بھی زائل ہو جائے گا۔ بعض حضرات کی جانب سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی نیک عورت کی رفاقت میں عورتوں کے گروپ کے ساتھ بلا محرم بھی حج ادا کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں عورت مردوں کے ساتھ تنہا نہیں ہوتی بلکہ عورتوں میں موجود ہوتی ہے لیکن ہم اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پیش کرتے ہیں:

لَا تُسَافِرِ الْمَرْاَۃُ اِلَّا مَعَ ذِی مَحْرَمٍ (مسلم:3272)

''کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا یَحِلُّ لِامْرَاَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَومِ الْآخِرِ اَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا یَّکُونُ ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ فَصَاعِدًا ، اِلَّا وَمَعَھَا اَبُوْھَا اَوِ ابْنُھَا اَوْ زَوْجُھَا اَوْ اَخُوْھَا اَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ مِّنْھَا (مسلم:3270)

''جوعورت اللہ تعالیٰ پراورآخرت پرایمان رکھتی ہےاس پرباپ یاخاوندیابیٹےیابھائی یاکسی بھی محرم کے بغیرتین دن تک کاسفرکرناحلال نہیں ہے۔''

اورفرمایا:

لَا یَحِلُّ لِامْرَاَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ ، تُسَافِرُ مَسِیرَۃَ یَومٍ وَّلَیْلَۃٍ ، اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ عَلَیْھَا (مسلم :3268)

''کسی عورت کے لئے جواللہ تعالیٰ اوریوم آخرت پرایمان رکھتی ہویہ حلال نہیں کہ وہ محرم کے بغیرایک دن اوررات کی مسافت سفرکرےسوائےاس کے کہ محرم اس کےساتھ ہو۔''

(حاشیہ: مؤطامیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''جس عورت نے پہلےکبھی حج نہیں کیا،اس کامحرم بھی موجودنہیں،یامحرم موجودہےمگراس کے ساتھ سفرکی استطاعت نہیں رکھتا،وہ فریضۂ حج کوترک نہیں کرےگی بلکہ عورتوں کےگروپ کےساتھ حج اداکرسکتی ہے۔'')

ان تمام احادیث کےپیشِ نگاہ ہم یہی کہہ سکتےہیں کہ جس عورت کےساتھ محرم موجودنہ ہواس میں دراصل استطاعت ہی نہیں پائی جاتی حالانکہ استطاعت کوفریضۂ حج کےوجوب میں شرط قراردیاگیاہے۔لہٰذایہ معلوم رہناچاہیےکہ ائمۂ کرام کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف پایاجاتاہے۔ان میں سےبعض وہ ہیں جوچندشرائط کےساتھ اجازت دیتےہیں اوربعض وہ ہیں جوبالکل ہی منع کرتےہیں لیکن ہراختلافی مسئلےمیں ہمیں یہ تلاش کرتےرہناچاہیےکہ ہدایتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کےقریب ترین مؤقف کون ساہے؟ہم پچھلی بات کومختصرالفاظ میں بیان کرتےہیں کہ جوعورت حج کےسفرپرنیک عورتوں کےساتھ روانہ ہوتی ہےبلاشبہ اس کافریضۂ حج اداہوچکاہےلیکن اس نےغیرمحرم کےساتھ سفرکرکےحرام کاارتکاب کیاہےجس پراسےتوبہ و استغفارکرناچاہیے۔

بچے پرحج کامسئلہ

ارکانِ اسلام کےدیگرواجبات بچےپرجیسےعائدنہیں ہوتے،حج بھی اس پرفرض نہیں ہےلیکن اگروہ حج میں حاضرہوجاتا

اور اپنی بساط کے مطابق اعمال بجالاتا ہے تو یقیناً وہ خیرِ کثیر وصول کرتا ہے کیونکہ اس کی دینی زندگی میں یہ پہلا بہترین بیج ہے جو نشو ونما پا کر باقی تمام زندگی برگ و بار لائے گا کیونکہ نیکی اور عبادت کے کاموں پر بچوں کی تربیت کرنا خوش گوار نتائج کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ترغیب کے ساتھ اس کی جانب متوجہ کیا ہے۔ کیا آپ ﷺ نے سات سالہ بچے کو نماز کی تلقین کا حکم ارشاد نہیں فرمایا ہے؟ بچوں کے بارے میں نماز سے متعلق آپ ﷺ کا یہ فرمان بالکل بجا ہے۔ علاوہ ازیں بچوں کا حج کرنا صحیح سند کے ساتھ تقریری حدیث سے بھی ثابت ہے۔

(حاشیہ: حدیث کی تین اقسام ہیں: 1۔ قولی حدیث 2۔ فعلی حدیث 3۔ تقریری حدیث۔ رسول اللہ ﷺ کی بات کو قولی حدیث کہتے ہیں، آپ ﷺ کے کام کو فعلی حدیث کہتے ہیں اور جب کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کوئی بات کہی ہو یا کوئی کام کیا ہو اور آپ ﷺ اس پر خاموش رہے ہوں، اس کو تقریری حدیث کہتے ہیں۔ گویا آپ ﷺ نے اس بات یا کام کو برقرار رکھ کر امت میں شرعاً اس کو جاری فرما دیا ہے۔ ایک اعتبار سے یہ چپ کی زبان کہلاتی ہے۔ مترجم)

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا اِذَا حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَكُنَّا نُلَبِّيْ عَنِ النِسَاءِ وَنَرمِي عَنِ الصِّبْيَانِ (ترمذی:927)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حج کیا، ہمارے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ ہم بچوں کی جانب سے تلبیہ کہتے اور کنکر مارتے تھے۔'' (احمد، ترمذی اور ابن ماجہ میں مروی ہے، ضعف کے باوجود اس پر عمل کیا جاتا ہے)

اس سے بھی بڑھ ایک واقعہ یہ ہے کہ روحاء کے مقام پر ایک عورت نے اپنا بچہ اٹھا کر پوچھا: کیا اس پر بھی حج فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

نَعَمْ وَلَكِ اَجْرٌ (مسلم:3253)

''ہاں! اس کا اجر تو پائے گی۔''

یہاں سے ہمیں بچوں کے حج کی شرعی حیثیت کا علم ہو جاتا ہے اور یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ جو بچہ صحیح طور سے بول نہیں سکتا اس کی جانب سے تلبیہ پکارا جائے گا اور جو شیاطین کو کنکر نہیں مار سکتا اس کی طرف سے کنکر بھی مارے جائیں گے۔ طواف

اور سعی میں بچے کو عاجز اور مریض پر قیاس کیا جائے گا اور جو بچہ جس قدر حج کا عمل بجالاسکتا ہو اسی قدر بجالائے گا اور باقی ماندہ اُمور اس کا سر پرست انجام دے گا البتہ اجر میں دونوں شریک ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل بہت عظیم ہے۔

یہاں ایک اہم بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ بچپن کے حج سے فریضۂ حج ساقط نہیں ہوجاتا (بلکہ بلوغت کے بعد استطاعت کے وقت اس پر حج فرض ہوگا) تاہم بلوغت سے قبل ہی جو بچہ وفات پا جائے گا، بچپن کا حج اس کے لئے بلندی کا باعث بن جائے گا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''جو بچہ اہلِ خانہ کے ساتھ حج کرتا ہے اور بچپن ہی میں وفات پا جاتا ہے، اس کا حج ادا ہو چکا ہے لیکن جو بچہ بلوغت کو پہنچ جائے گا دوبارہ حج کرنا اس پر فرض ہے''۔ (مسند احمد میں مرسل روایت ہے)

حج وعمرہ کی عظیم الشان عبادت، ان کی ادائیگی کی ترغیب اور ان کے ترک کرنے پر ترہیب کا بیان

یہ ایک معلوم بات ہے کہ انسان اپنی جبلت کا پابند نہیں ہے جس کو قبولِ حق اور کارِ خیر کے لئے طبعاً مجبور کیا گیا ہو بلکہ انسان وہ واحد مخلوق ہے جس میں ایک ہی وقت دو متضاد قوتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک رجحان خیر کا ہے جو فطرت میں پایا جاتا ہے اور ایک میلان شر کا ہے جو جبلت میں پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات حق کو حق سمجھنے کے باوجود عناد اور تکبر کی بنا پر انسان اس کی اتباع سے گریز کرتا ہے اور بعض دفعہ باطل کو باطل جاننے کے باوصف تقلید وخواہش کی بنا پر اس کو بجالاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو کئی کاموں کی خیر معلوم ہوجاتی ہے، وہ ان کو پسند بھی کرتا ہے اور طبعی طور پر ان کی جانب مائل بھی ہوتا ہے لیکن کاہلی کی بنا پر راحت کی تلاش میں اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ اکثریت کا طبعی شیوہ یہی ہے۔ مثلاً جو حضرات نماز نہیں پڑھتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ وہ اس کی فرضیت کا انکار کرتے ہیں یا اس کی اہمیت سے آگاہ نہیں ہوتے بلکہ سستی کی وجہ سے وہ اسے چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ اسلامی ممالک کا شاید ہی کوئی سربراہ اس حقیقت سے آگاہ نہ ہو کہ دنیائے اسلام کی تمام تر شان وشوکت اور قوت وسطوت امتِ مسلمہ کے اتحاد ووحدت میں پوشیدہ ہے لیکن حقیقت کا یہ اعتراف کیا واقعی انہیں اتحاد پر آمادہ کر سکا ہے کہ جس شے کو وہ اچھا خیال کیا کرتے ہیں اور جس چیز کو حق تصور کرتے ہیں اور جس حقیقت پر وہ ایمان لاتے ہیں، عملاً بھی اس کے فوائد ونتائج کو وہ حاصل کرسکیں؟

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے ارواح واجسام کی اصلاحِ احوال کے لئے جو احکامِ شریعہ مقرر فرمائے ہیں، ہم ان کے اسرارِ حکمت سے کماحقہٗ شناسائی نہیں رکھتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف یہی خبر نہیں دی کہ احکامِ شریعہ انسان کی دنیوی زندگی

کے لئے فائدہ منداوراُخروی حیات کے لئے نفع بخش ہیں بلکہ ان تمام احکام کی علت بھی بیان کی گئی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر حکم کی حکمت اور ہر عبادت کا فائدہ ذکر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لاتعداد آیاتِ کریمہ اور بے شمار احادیثِ نبویہ ﷺ میں ترغیب وترہیب پائی جاتی ہے جس کا تعلق احکامِ شریعہ پر عمل پیرا ہونے یا نہ ہونے کے ساتھ ہے۔ ان احکام میں سے ایک حج وعمرہ کی عبادت بھی ہے جس کی ترغیب وترہیب کا بیان احادیث میں اس قدر سخت ہے کہ جس سے انسانی دل ہی نہیں دہلتا بلکہ پہاڑ بھی پگھل جاتا ہے۔

اس ترغیب یا ترہیب سے بلاشبہ بہت مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ کتنے ہی مسلمان ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حج بھی ارکانِ اسلام میں داخل ہے جس کو فرض کر دیا گیا ہے، ان کے پاس دولت کی فراوانی بھی ہوتی ہے لیکن عرصۂ دراز گزر جانے پر بھی اپنے اس عقیدہ کو حج کرکے عملی جامہ نہیں پہنا پاتے مگر جونہی جمعۃ المبارک کے کسی خطبے میں خطیب کو سنتے ہیں کہ وہ اس عبادت کی دعوت دے رہا، اس کی ادائیگی کی ترغیب دلا رہا، اس میں کاہلی پر وعید سنا رہا اور سامعین کے سامنے جنابِ عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیش کر رہا ہے:

> ''میرا دل چاہتا ہے کہ میں شہروں میں آدمی بھیجوں تاکہ جو استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے، ان سے جزیہ وصول کریں کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ وہ مسلمان نہیں ہے۔'' (اس کو سعید بن منصور اور بیہقی نے روایت کیا ہے)

اس قسم کا وعید پر مبنی کلام اس کی فطری استعداد کو انگیخت کرتا ہے۔ چنانچہ وہ اسی وقت اپنا اثاثہ اور اشیاء فروخت کرکے زادِراہ جمع کرتا ہے اور حج ادا کر آتا ہے۔ دراصل اس سال کا یہ حج ترغیب وترہیب پر مشتمل کلام کی تاثیر کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا خطیب کو چاہیے کہ اس قسم کی احادیث وآثار کو جو حج کی تعریف، اس کے ارکان اور واجبات پر مشتمل ہوں تمہیداً سامعین کے سامنے پیش کریں۔ اگرچہ یہ کام اس کے ذمہ میں فرض نہیں ہے تاہم عقلاً ایک مستحسن اقدام ہے جو اس عظیم الشان اور جلیل القدر عبادت کی جانب دعوت دینے کا بہترین طریقہ ہے۔

اس سلسلہ میں ہم ترہیب کا آغاز ترغیب سے قبل کرتے ہیں۔

حج ترک کرنے پر وعید

عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : مَنْ مَّلَکَ زَادًا [وَ] رَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰی بَيْتِ اللهِ

وَلَـمْ يَـحُـجَّ فَـلا عَـلَـيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًا وَذٰلِكَ [اَنَّ] اللهَ يَقُوْلُ فِيْ كِتَابِهِ :

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾ (آل عمران:97) (ترمذی:812)

جنابِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''جس کے پاس اس قدر زادِراہ اور سواری موجود ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچا سکتی ہو اس کے باوجود وہ حج نہیں کرتا، اس پر کوئی افسوس نہیں خواہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ اور جو انکار کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔''

جنابِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان بھی منقول ہے:

لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَبْعَثَ رِجَالًا اِلَى هَذِهِ الْاَمْصَارِ فَيَنْظُرُوْا كُلَّ مَنْ كَانَ لَهُ جِدَّةٌ وَلَمْ يَحُجَّ لِيَـضْرِبُوْا عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ مَاهُمْ بِمُسْلِمِيْنَ مَاهُمْ بِمُسْلِمِيْنَ . (منتقی الاخبار کتاب المناسک باب وجوب الحج علی الفور)

''میرا دل چاہتا ہے کہ میں شہروں میں آدمی بھیجوں تاکہ جو استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے، ان سے جزیہ وصول کریں کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں۔''

اور فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

مَنْ لَمْ تَحْبِسْهُ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ ، اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ ، اَوْ سُلْطَانٌ جَابِرٌ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَآءَ يَهُوْدِيًّا وَّاِنْ شَآءَ نَصْرَانِيًّا (شعب الایمان:3979)

''جس شخص کو ظاہری ضرورت، شدید مرض یا ظالم حکمران نے نہ روک رکھا ہو اور حج کے بغیر ہی اس پر موت آجائے وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔'' (بیہقی نے روایت کیا، منذری نے اس پر سکوت فرمایا)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ قدسی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان عبداً صححت له جسمه ووسعت عليه المعيشة يمضى خمسة اعوام لا يفد اليّ انه لمحروم (بیهقی وابن حبان مقبول)

''جس آدمی کو میں نے جسمانی صحت اور معاشی وسعت عطا کی اور پانچ سال گزرنے کے باوجود وہ میرے پاس نہ آیا بلاشبہ وہ محروم ہے۔''

مذکورہ بالا احادیث وآثار کی رُو سے فریضہ کی ادائیگی میں کاہلی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ بعض دفعہ انسان اس کاہلی اور سستی کی وجہ سے جہنم کے کنارے تک جا پہنچتا ہے کیونکہ اس بات کا خوف برابر قائم رہتا ہے کہ یہ سست روی بالآخر فریضۂ حج کو حقیر باور کراتی ہے اور آدمی اس کو مستقلاً ترک کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں اور وہ کفار کی صف میں جا کھڑا ہوتا ہے۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان اور عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے قول کا ظاہری مطلب بھی یہی ہے کہ اس کو یہودیت پر موت آئے یا عیسائیت پر، اسلام سے بہرحال اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں کیا عجیب ہے کہ دینِ اسلام کی اس عظیم بنیاد سے انکار واعراض کا رویہ کفر وتکذیب کی ہتھکڑی میں انہی کے ساتھ جکڑنے کا سبب بن جائے گا۔

حج وعمرہ کی ترغیب

بے شمار احادیثِ مبارکہ میں حج وعمرہ کی بہت زیادہ ترغیب دلائی گئی ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : سُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ : اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ : اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ . قِیْلَ : ثُمَّ مَا ذَا ؟ قَالَ : جِهَادٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ، قِیْلَ : ثُمَّ مَا ذَا ؟ قَالَ : حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ . (بخاری:1519)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا: ''افضل عمل کون سا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا۔'' پوچھا گیا: پھر کون سا؟'' فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔'' پوچھا گیا: پھر کون سا؟'' فرمایا: ''حجِ مبرور۔''

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَلْحَجُّ جِهَادُ كُلِّ ضَعِیْفٍ (ابن ماجہ:2902)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے: ''حج ہر ضعیف آدمی کا جہاد ہے۔''

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ ؓ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ : جِهَادُ الْكَبِيْرِ وَالصَّغِيْرِ وَالضَّعِيْفِ وَالْمَرْأَةِ الْحَجُّ وَالعُمْرَةُ . (نسائی:2627)

جنابِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ''حج اور عمرہ بوڑھے، کمزور اور عورت کا جہاد ہیں۔''

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ : سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ يَقُولُ : مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ (بخاری:1521)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے حج کرے، پھر (حج کے دوران) کوئی فحش بات کرے اور نہ گناہ کرے تو وہ حج کرکے اس طرح بے گناہ واپس لوٹے گا کہ آج اس کی ماں نے اسے (بے گناہ اور معصوم) جنم دیا ہے۔''

بزار سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللّٰہ یغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج (حاکم وصححه)

''اللہ تعالیٰ حاجی کو اور جس کے لئے حاجی دعائے مغفرت کرتا ہے دونوں کو معاف فرما دیتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو سنا، وہ طواف کے دوران میں دُعا کر رہا تھا کہ اے اللہ! فلاں بن فلاں کو معاف فرما۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کس کے لئے دُعا کر رہے ہو؟'' اس نے کہا: ''اس آدمی نے رکنِ یمانی اور مقامِ ابراہیم کے درمیان مجھ سے دُعا کی درخواست کی تھی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

قد غفر لصاحبک (المعجم الكبير للطبرانی:5/12،حديث :12299،مجمع الزوائد:152/10)

''اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھی کو معاف کر دیا ہے۔''

وہ کیسا مومن ہے جس کی سماعت کے پردوں پر بشارتِ نبوی ﷺ کی صدائے برحق دستک دے رہی ہو اور وہ نشاط و فرحت سے جھوم نہ اٹھے! یہ بشارتیں بہت محنت کے بعد انتہائی صدق و وضاحت کے ساتھ ہم تک منتقل ہوئی ہے کہ حج افضل ترین عمل ہے جو اجر و ثواب میں جہاد کی مانند ہے۔ حاجی اور مجاہد مقام میں برابر ہیں۔ حاجی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ہے جس

کی دُعا قبول ہوتی ہے، جس میں نہ صرف حاجی کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں بلکہ حاجی جس کی معافی کا خواستگار ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو بھی بخش دیا جاتا ہے۔

حج کے لیے دعوتی اداروں کا قیام

حج بیت اللہ سے غفلت کی وعید میں جو احادیث بیان ہوئی ہیں انہیں ایک نظر دیکھنے ہی سے ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حج کی دعوت وتربیت کے لیے کسی ادارے یا انجمن کا قیام عقل وشریعت کی رُو سے ایک مستحسن اقدام ہے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں یہ ادارے موجود ہیں اور دنیائے اسلام کے کئی ممالک میں انہوں نے اپنی شاخیں قائم کر رکھی ہیں۔ خطباء کا تقرر، دُروس کا انعقاد، مضامین وکتب کی اشاعت اور رسائل وجرائد کی تصنیف ان کے پیشِ نگاہ ہے۔ حجاج کرام کی تعلیم وتربیت کے لیے ہر ملک میں ممکن حد تک یہ اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ جہاں تک عقل کا تعلق ہے اس کی رُو سے بھی جدید طرز پر منظّم انداز میں عوام کو بھلائی کے کام پر آمادہ کرنا اور اس میں تعاون کرنا کوئی قبیح عمل نہیں ہے۔

اور جہاں تک شریعت کا تعلق ہے اس کی رُو سے حج کے باب میں وارد ترغیب وترہیب کی احادیث کو قارئ کتاب مطالعہ کر چکا ہے جس سے وہ مکمل طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس قسم کا عمل رسول اللہ ﷺ کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے، آپ ﷺ کی اطاعت پر کاربند ہونے اور آپ ﷺ کی مراد پر خیمہ زن ہونے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا کام ایک افضل ترین عمل ہے جس پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بہترین اجر وثواب عطا ہوگا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

> ''میں ارادہ کرتا ہوں کہ ان شہروں میں آدمی بھیجوں وہ دیکھیں کہ استطاعت کے باوجود جو حج نہیں کرتے ان پر جزیہ عائد کردیں کہ وہ مسلمان ہی نہیں وہ مسلمان ہی نہیں۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

> ''جو شخص اتنی رقم اور سواری کا مالک ہے جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا دیتی ہے پھر بھی وہ حج نہیں کرتا، وہ یہودی یا عیسائی بن کر مرے، اس پر کوئی افسوس نہیں۔''

کیا ان حضرات کے دونوں اقوال حج کی موجودہ دعوت سے عبارت نہیں ہیں؟ حج سے غفلت کی وعید پر ان کے مؤقف کو کیا ایک داعی حج کا مؤقف خیال نہیں کیا جائے گا؟ کیا دعوت الی اللہ کا کام فرض نہیں ہے؟ ہمیں کیا خبر ہے کہ حج کی دعوت

اسلام کی ایک عمومی دعوت بن جائے جو اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی عبادت، اس کی اطاعت اور اس کی حدود کی پابندی پر مشتمل ہے؟ اسلامی ممالک اور اہلِ اسلام میں اور غیر اسلامی ممالک اور کفار میں اسلام کو آج دعوت و تبشیر کی کس قدر ضرورت ہے!!

عبادت سے تزکیۂ نفس کی خاصیت کب ختم ہوتی ہے؟

جو حضرات اشیاء کے خواص کا علم رکھتے ہیں وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ جن اشیاء میں کسی دوسری شے کو متاثر کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے، بسا اوقات یہ صلاحیت کسی باعث ان سے ختم ہو جاتی ہے گویا یہ خاصیتِ تاثیر ان اشیاء میں کبھی موجود ہی نہ تھی۔ عباداتِ شریعہ کا بھی بالکل یہی احوال ہے۔ بلا شبہ ان میں بھی اصلاً نفس کے اصلاح و تزکیہ کی خاصیت پائی جاتی ہے لیکن بعض دفعہ کسی وجہ سے عبادت کی خاص تاثیر ختم ہو جاتی ہے جس سے اصلاحِ نفس اور تزکیۂ روح کا سامان نہیں ہو پاتا۔ وجودِ شرک، سوئے عمل اور عدمِ اخلاص وہ بڑے بڑے اسباب ہیں جن کی وجہ سے عبادت میں اصلاح و تزکیہ کی تاثیر باقی نہیں رہتی ہے۔ ان کا ترتیب وار بیان درج ذیل ہے:

شرک کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کا عبادت میں غیر کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا۔ شرک سے عمل کے ظاہر و باطن میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بالکل ہی ضائع ہو کر رہ جاتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۸۸﴾ (الانعام:88)

”اور اگر وہ انبیاء بھی شرک کرتے تو ان کے وہ اعمال ضائع ہو جاتے جو وہ کرتے تھے۔“

فرمانِ ربّانی ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴿۶۵﴾ (الزمر:65)

”اگر تم نے شرک کیا تو ضرور تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم ضرور نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔“

کسی بھی عمل کا فساد و بطلان اس کے ضیاع کا باعث بنتا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس عمل کو فضول پھینک دیا جاتا ہے، بارگاہِ الٰہی میں اس کو نہ ہی بلند کیا جاتا ہے اور نہ ہی شرفِ قبولیت سے نوازا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور وہ صرف پاکیزہ عمل ہی پسند کرتے ہیں اور جس عمل میں شرک کی آمیزش ہوتی ہے، وہ فاسد ہو جاتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی جانب وہی عمل اٹھاتے ہیں جو صالح ہوتا ہے۔ ارشادِ مبارک ہے:

اِلَيۡهِ يَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ ؕ (فاطر:10)

''اُسی کی طرف پاکیزہ کلام چڑھتا ہے اور نیک عمل اُس کو اوپر چڑھاتا ہے۔''

عبادت میں سوئے عمل کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کو بہ تمام وکمال ادا نہ کیا جائے بلکہ اس کے ارکان وآداب اور واجبات وسنن میں نقص واقع ہو جائے۔ سوئے عمل عبادت کی حقیقی روح کو ختم کر دیتا ہے جس سے تزکیۂ نفس کا نتیجہ برآمد نہیں ہو پاتا۔ آج کل عبادت میں سوئے عمل کی بیماری بہت عام ہے۔

عبادت کے مقبول ہونے میں تنہا اخلاص ہی کافی نہیں ہے اور نہ ہی اس سے تزکیۂ نفس ممکن ہے بلکہ اخلاص کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ عبادت کو مقدار ومعیار کی اس صورتِ شریعہ کے مطابق ادا کیا جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور جس کو رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا ہے۔ گویا اخلاصِ نیت اور حسنِ عمل سے عبادت میں اصلاح وتطہیر کی خاصیت پیدا ہوتی ہے اور ان کے بغیر عبادت کی تاثیر بالکل ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

(حاشیہ: چار سوالات پر غور کر کے ہم اپنے اعمال میں حسنِ ادائیگی پیدا کر سکتے ہیں: 1۔ رسول اللہ ﷺ نے کون سا کام کیا ہے؟ 2۔ آپ ﷺ نے یہ کام کس وقت انجام دیا ہے؟ 3۔ آپ ﷺ نے یہ کام کتنی مقدار میں کیا ہے؟ 4۔ آپ ﷺ نے یہ کام کس طریقۂ کار سے کیا ہے؟ کوئی بھی عبادت کرتے وقت اگر یہ چار سوالات ہمارے پیشِ نگاہ رہیں تو بہت ممکن ہے کہ مروّجہ بدعات سے ہم بچ سکیں گے اور ہمارا عمل سنتِ رسول ﷺ کے قریب ترین ہو جائے گا۔ (مترجم)

یہی وجہ ہے کہ شارع نے دینی علم حاصل کرنا فرضِ عین قرار دیا اور اس کے حصول کی تحریک دلائی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

طَلَبُ الۡعِلمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسۡلِمٍ . (ابن ماجه:224)

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔'' (بیہقی اور ابن عبد البر نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

اور ارشادِ رسول ﷺ ہے:

''علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین ہی جانا پڑے۔''

(حاشیہ: اس حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے مگر اس کا معنی بالکل صحیح ہے کہ ارشادِ ربّانی ہے:

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (التوبہ:122)

''ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکلیں تا کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔'')

ان احادیث میں خصوصاً دینی علم کا بیان ہے جس کا تعلق عبادات کے ساتھ ہوتا ہے جو شارع نے مقرر کی ہوتی ہیں۔ حصولِ علم کی اس فرضیت کا مقصد یہ ہے کہ عبادت سے نفس کی اصلاح و تطہیر کا حقیقی فائدہ حاصل کیا جا سکے اور اس کے ذریعے سے مخلوق دنیا و آخرت کی کمالِ فلاح کے لئے تیار ہو سکے۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ ایک مسلمان اپنی تمام زندگی میں دینی علم حاصل نہیں کرتا اور جہل کی بنا پر ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ساری زندگی مصروف رہتا ہے۔ لہٰذا یہ ایک قیمتی بات ہے کہ جو شخص حج و عمرہ کی عظیم عبادت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کو سب سے پہلے حج کے مناسک وغیرہ کا علم حاصل کرنا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق بجالائے۔ جنابِ ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ وہ انہیں اپنی عبادت کا طریقہ بتادے تا کہ اس کے مطابق عبادت کی جائے اور اس انداز میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے جس انداز کو وہ پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جارہے تھے کہ:

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ (البقرہ:127,128)

''اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔۔ ہمارے پروردگار! تو ہم سے قبول فرما تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! تو ہمیں اپنا فرماں بردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔''

ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام چاہتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کا قرب حاصل کریں لیکن اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ طریقۂ عبادت کے بغیر یہ ممکن ہی نہیں تھا لہٰذا انہوں نے طریقۂ کار ہی کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دُعا قبول کی

اور انہیں مناسکِ حج بتا دیئے ۔ چنانچہ انہوں نے اس کے مطابق عبادت کی اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا۔لہٰذا کسی مسلمان کے لئے کیا یہ جائز ہے کہ وہ مناسکِ حج کو بجالاتا ہے مگر کسی بھی مناسک کا علم نہیں رکھتا اور جہالت ہی میں یہ عبادتِ الٰہی ادا کرتا ہے؟ حالانکہ اس عبادت میں وہ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے؟ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

قِفُوْا عَلٰی مَشَاعِرِ کُمْ فَاِنَّکُمْ عَلٰی اِرْثٍ مِّنْ اِرْثِ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ (ابو داؤد:1919)

''مشاعر پر وقوف کیا کرو کیونکہ تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چل رہے ہو۔''

حقیقت یہ ہے کہ اس کی ساری محنت، تمام مال اور ہر قربانی بے فائدہ ہے اور گھر سے نکلتے وقت وہ جو گناہ لے کر گیا تھا انہیں اپنے ساتھ گھر میں واپس لے آتا ہے۔

عبادت میں عدم اخلاص سے بھی تاثیر ختم ہو جاتی ہے۔اخلاص احتساب کا مترادف ہے کسی بھی عمل پر اللہ تعالیٰ ہی سے حسنِ ثواب اور اجرِ عظیم کی امید رکھنا احتساب کہلاتا ہے۔اخلاص ہر نیک عمل کی روح کا نام ہے۔اخلاص کے بغیر عمل اس مردہ جسم کی مانند ہے جس میں روح نہیں ہوتی ہے۔

گویا توحید، حسنِ عمل اور اخلاصِ نیت عبادت کے تین عناصر ہیں۔ان میں سے جب کوئی عنصر غائب ہوتا ہے تو عبادت اصلاح وتطہیر کی اس قوت سے بالکل خالی ہو جاتی ہے جو عبادت میں اصلاً پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ایسی عبادت سے نہ اَخلاق سنور سکتا ہے اور نہ روح پاک ہو پاتی ہے۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ دیگر عبادات کے بالمقابل حج کی عبادت میں سے یہ تین اہم عناصر اکثر و بیشتر غائب ہوتے ہیں۔بعض لوگ اس مقصد سے حج کرتے ہیں کہ آثارِ قدیمہ سے آگاہی حاصل کر سکیں یا سیر و سیاحت سے لطف اندوز ہو پائیں۔مغربی تہذیب کے دلدادہ حضرات یا چند غیر سنجیدہ قسم کے نوجوان یہ ذہن رکھتے ہیں۔بعض لوگ اس غرض سے حج کرتے ہیں کہ لوگ انہیں حاجی صاحب کہہ کر پکاریں اور وہ خاندان یا علاقے کے لوگوں کو دھوکہ دے کر چند دنیوی مقاصد حاصل کرنے کے لئے حاجی کے لقب کو استعمال کر سکیں۔ جاہل عوام میں سے وہ لوگ یہ ذہن رکھتے ہیں جو قیادت کے بھوکے ہوتے ہیں لیکن اپنی ذاتی، اَخلاقی اور علمی نااہلیت کی وجہ سے وہ اقتدار حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے۔ مذکورہ دنوں قسم کے لوگ بہر حال اپنے عمل کو برباد کر بیٹھتے ہیں اور عدم اِخلاص کی وجہ سے حج کے حقیقی فوائد کھو دیتے ہیں۔اگر چہ پہلی قسم نے سیاحت کے ساتھ ساتھ فریضۂ حج کی ادائیگی کا ارادہ بھی کیا تھا اور دوسری قسم کے حضرات نے لقب کے ساتھ ساتھ

ادائے واجب کی نیت بھی کی تھی۔ تاہم ان کا یہ عمل محض رضائے الٰہی کے لئے نہ تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرہ:196)

''حج وعمرہ کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے مکمل کیا کرو۔''

چنانچہ ایسی عبادت اپنے حقیقی فائدہ تزکیہ وتطہیر سے بالکل خالی رہ جاتی ہے اور جس کے نفس کی اصلاح نہ ہو پائی یا جس کی روح پاک نہ ہو سکی وہ شخص کیونکر یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو چکا گویا آج ہی وہ پیدا ہوا ہے؟ بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیے کہ وہ ان تمام گناہوں سمیت لوٹ آیا ہے جو گھر سے نکلتے وقت اس کے سر پر تھے۔ ہم اس بدبختی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ہماری سابقہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عبادت میں ایک خاصیت پائی جاتی ہے جس سے تزکیۂ نفس ممکن ہوتا ہے لیکن شرک باللہ، سوئے عمل اور عدم اِخلاص کی وجہ سے عبادت اپنی یہ تاثیر کھو دیتی ہے۔ اس قاعدۂ شریعہ کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ (العنکبوت:45)

''یقیناً نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''نماز جس کو بے حیائی اور برائی سے نہیں روکتی، وہ نماز، نماز نہیں ہے۔'' (اس کو ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔ ابن کثیر نے اس پر خاموشی اختیار کی تاہم معنی اس کا صحیح ہے۔)

اور فرمانِ رسول ﷺ ہے:

''جس شخص کی نماز اس کو بے حیائی اور برائی سے نہیں روکتی، وہ نماز کے باوجود اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جا رہا ہے۔'' (طبرانی نے روایت کیا اور اس کو موقوف قرار دیا ہے:11025)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ فرمانِ الٰہی (**ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر**) میں یہ حقیقت بیان کی جا رہی ہے کہ عبادت میں نفوس کو متاثر کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی (**وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ**) میں اقامتِ صلوۃ کا حکم دیا گیا ہے جبکہ (**ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر**) میں اس حکم کی حکمت بیان کر دی گئی ہے جو صراحت کے ساتھ یہ نشان دہی کر رہی ہے کہ عبادت کی تاثیر کے حصول کے لئے لازم ہے کہ عبادت کو اس انداز میں صحیح طور سے ادا کیا جائے

جو اپنے ظاہر و باطن میں شریعتِ الٰہی کے عین مطابق ہو ورنہ عبادت اپنی خاصیتِ تاثیر کھو دے گی۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی (نماز جس کو بے حیائی اور برائی سے نہیں روکتی، وہ نماز، نماز نہیں ہے) میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ عبادت اگر شرک سے پاک ہوگی، اس کو سنت کے مطابق ادا کیا جائے گا اور اس میں خلوصِ نیت کا عنصر ہوگا تو اس میں یقیناً اصلاحِ نفس کی خاصیت بھی پائی جائے گی۔ بالکل ایسے ہی فرمانِ رسول ﷺ (وہ نماز کے باوجود اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جا رہا ہے) واضح دلالت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب یا بُعد دراصل نفس کی طہارت یا دَناست کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ایسا نیک عمل کرتا ہے جو تزکیۂ نفس کا باعث ہے تو وہ اپنی اس روحانی طہارت کے سبب اللہ تعالیٰ کا مقرب بن جاتا ہے اور جو شخص شرک و معاصی جیسا بدعمل کرتا ہے جس سے نفس خبیث بن جاتا ہے، وہ اپنی خباثتِ روحانی کے باعث اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کا قطعاً مستحق نہیں ہے بلکہ اس فرمانِ الٰہی کا مصداق ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس:10.9)

''یقیناً کامیاب ہوگیا وہ جس نے اُسے پاک کیا۔ اور یقیناً نامراد ہوا وہ جس نے اُسے دبا دیا۔''

تزکیۂ نفس کے لیے حج کی فرض شرائط

رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ . (بخاری:1521)

''جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے حج کرے، پھر (حج کے دوران) کوئی فحش بات کرے اور نہ گناہ کرے تو وہ حج کر کے اس طرح بے گناہ واپس لوٹے گا کہ آج اس کی ماں نے اسے (بے گناہ اور معصوم) جنم دیا ہے۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں اگر ہم غور کریں تو نتیجۂ حج کے حصول کو مقید بیان کیا گیا ہے کہ جب دو قسم کی قیود کا حج میں خیال رکھا جائے گا تب کہیں جا کر اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرمائیں گے حتی کہ اس کے نفس پر ناپاکی کا کوئی اثر باقی نہیں رہے گا بلکہ پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا مستحق بن جائے گا۔ ان قیود کا بیان درج ذیل ہے:

(1) حج میں پہلی قید عدمِ رَفث ہے۔ رَفث کا کلمہ جماع اور اس کے مقدمات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مقدمات کا تعلق قول اور فعل دونوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً غلط قسم کی باتیں کرنا یا ایسی گفتگو جس میں صراحتاً یا اشارۃً جنسی میلان

پایا جاتا ہو، یہ جماع کا قولی مقدمہ ہیں جبکہ ہاتھ سے چھونا، پردے کے پیچھے سے دیکھنا، نظر کا نظر کو براہِ راست دیکھنا یا دل میں فاسد خیالات کا آنا جماع کا فعلی مقدمہ ہیں۔

(2) حج میں دوسری قید عدمِ فسق ہے۔ فسق ایک ایسا کلمہ ہے کہ کفر وشرک سے لے کر شریعت کی ادنیٰ ترین خلاف ورزی تک اس کے تحت آجاتی ہے۔ اگر ان سخت قسم کی قیود کا لحاظ رکھا جائے گا تو تزکیۂ نفس حاصل ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رضا وقرب کا یہی پاک نفس مستحق قرار پائے گا۔ ان قیود کا اگر خیال نہیں کیا جائے گا تو نفس کی طہارت بھی نہیں ہو پائے گی کیونکہ نفس کی پاکیزگی دراصل گناہوں کے اثرات ختم ہونے سے عبارت ہے اور جب گناہوں کے آثار ہی نہ مٹ سکیں گے تو نفسِ انسانی پاکیزگی کیونکر حاصل کر پائے گا؟

اس حرماں نصیبی میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ محرم جب تلبیہ پکارتا ہے اور ارضِ مقدس میں داخل ہوتا ہے، وہ اللہ ذوالجلال والاکرام کا مہمان بن جاتا ہے لیکن جو مہمان خود اپنا احترام نہیں کرتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی مہمانی کا خیال رکھتا ہے بلکہ اپنے نفس کو گناہ میں ملوث کرتا اور میزبان کی نافرمانی کر کے نور کو گل کرتا ہے اور آدابِ زیارت کی حدود سے نکل کر اپنی عزت خود گنواتا ہے اور مہمانی کی حرمتیں پامال کرتا ہے وہ اسی لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے اس کی عزت افزائی اور مہمان نوازی بالکل نہ کی جائے!

یہی وجہ ہے کہ اس عبادت میں کامیاب ہونے والے افراد تعداد میں ہمیشہ کم ہی رہے ہیں اگرچہ اس کی جانب متوجہ ہونے والے بہت ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ ایک دن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا: حجاجِ کرام کی تعداد کتنی زیادہ ہے! آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ کس قدر تھوڑے ہیں! معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا:

خلیلی قطاع الفیا فی الی الحمی — کثیر لکن الواصلین قلیل

”میرے دوست! وسیع وعریض وادیاں طے کر کے حرم کا سفر کرنے والے بہت زیادہ ہیں مگر اپنے مقصد میں کامیاب ہونے والے بہت ہی کم ہیں۔“

حج کی عبادت میں ایک قید مبرور کی بھی ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے:

اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَه جَزاءٌ اِلَّا الجَنَّةُ . (بخاری:1773)

”حجِ مبرور کی جزا جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔“

اس مقام پر غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مطلق حج کو مبرور کے ساتھ متصف کیا ہے چنانچہ حجاج کرام کو اسی وقت اجرِ عظیم اور حسنِ ثواب عطا کیا جائے گا جب ان کے حج میں مبرور کا وصف شامل ہوگا۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مبرور کا معنی و مفہوم بیان کر دیں جو حج کی روح ہے۔ برُ ور مصدر ہے جس کا فعل ماضی برَّ اور فعل مضارع یَبُرُ پر آتا ہے۔ مضارع کی ب پر زبر آتی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: صَدَّقَ وَبَرَّ خَالِقَهُ اس میں اطاعت کا مفہوم ہے اور کہا جاتا ہے: برت الصلوة یہاں قبول کا معنی ہے اور بَرَّ اللهُ العِبَادَةَ میں بھی قبول کرنے کا مفہوم ہے۔ چنانچہ برور کا معنی ہے قبول۔ لہٰذا حجِ مبرور سے مراد مقبول حج ہے لیکن حج کی یہ قبولیت سراسر حاجی کی صدقِ نیت، صحیح اعمال اور صالح اقوال پر مبنی ہوتی ہے چنانچہ حجِ مبرور کی قطعی شرائط یہ ہیں:

(1) حج خالص نیت کے ساتھ صرف رضائے الٰہی کے لئے کیا جائے۔

(2) اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ فسق، رَفث اور جدال سے اجتناب کیا جائے اور شارع کی بیان کردہ ہیئت وصفت کے مطابق مکمل صحت کے ساتھ اس کو ادا کیا جائے۔

یہاں ہم مبرور کے معنی میں سلف کے اقوال ذکر کر رہے ہیں۔ ان میں اگرچہ الفاظ کا اختلاف پایا جاتا ہے تاہم ان تمام اقوال کا معنی ایک ہی ہے۔

نبی ﷺ سے حج میں نیکی کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کھانا کھلانا، سلام کو عام کرنا اور اچھی گفتگو۔''

جناب ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا جواب یہ دیا ہے: ''نیکی معروف شے ہے یعنی خندہ پیشانی اور نرم کلامی۔''

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب بھی آپ ﷺ سے بہترین عمل کے بارے میں دریافت کیا گیا، آپ ﷺ نے سائل کو اس کے حالات کے مطابق جواب دیئے ہیں کیونکہ آپ ﷺ سائلین کے نفوس کا علاج کرتے تھے لہٰذا ہر سائل کے لئے آپ ﷺ نے ایک خاص دوا تجویز فرمائی ہے۔

حجِ مبرور سے متعلق آپ ﷺ کا جواب ملاحظہ کریں۔ آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ حاجی اپنے حج میں واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ فضائل و کمالات میں بھی سبقت کیا کریں تاکہ ان کے حج میں مبرور کی بہترین صفات پائی جائیں اور وہ قبولیت کے اعلیٰ ترین درجات پر جا پہنچیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حجِ

مبرور کی جو تعریف ہم نے بیان کی ہے اس کا رسولِ اکرم ﷺ یا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تعریف سے نتیجہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ہماری اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس حج میں اخلاصِ نیت اور حسنِ ادا جیسی تمام صفاتِ قبول پائی جائیں گی وہ حج، حجِ مبرور ہوگا۔ جس میں ہر اس کام سے دور رہا جائے جو اس کی قدر و قیمت میں کمی پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک سچے آدمی کا خیر و احسان سے بھرپور حج، حجِ مبرور کہلائے گا۔ وہ حاجی نیکوکار حاجی ہے جو اپنے حج میں اطاعت بجالاتا ہے اور نافرمانی کا کام نہیں کرتا ہے۔ اور محسن وہ ہے جو اپنے آقا کی خدمت میں کوتاہی نہیں کرتا، جو اطاعتِ کاملہ اور احسانِ عامہ کے کارِ خیر کی جانب متوجہ رہتا ہے، بیت اللہ کے مہمانوں سے حسنِ سلوک کرتا، انہیں اپنا کھانا پیش کرتا اور ان سے نرم گوئی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

بلاشبہ اس قسم کا حاجی اپنے حسنِ اطاعت اور طیبِ نفس کی بدولت اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ نیکی کا حصول اور برائی کا خاتمہ ہی اس کی جزا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو مقاماتِ رفیعہ اور درجاتِ عظیمہ اس کے لئے تیار کر رکھے ہیں، یہ جزا اس کے برابر نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس کی جزا جنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے جو نیکوکاروں کی منزل اور پرہیزگاروں کا مسکن ہے۔

اللّٰھم انا نسئلک الجنة الفردوس (آمین)

حج وعمرہ کے مواقیت

مواقیت سے مراد وہ زبانی یا مکانی حدود ہیں، حج یا عمرہ کی نیت کے بغیر جہاں سے گزرنا منع ہے۔ روزمرہ کا عادی لباس جہاں اتار دیا جاتا ہے اور ایک خاص قسم کا لباس (احرام) زیبِ تن کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی حدودِ حرم میں داخلہ ممکن ہو پاتا ہے۔

حدودِ حرم کے فلسفہ پر اگر ہم غور کریں کہ اس میں خصوصی احکام کی پابندی کیوں فرض ہے؟ تو معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کا اِکرام اور حرمِ مکی کا احترام بہرحال اسی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ شاہی محلوں اور حکومتی عمارتوں میں بھی دور دراز علاقے تک باڑ لگا دی جاتی ہے جس میں داخلہ ممنوع قرار پاتا ہے۔ اس حد سے تجاوز کرنا یا اندر داخل ہونا بلا اجازت جائز نہیں ہوتا بلکہ عسکری مدینہ وِنگ کے سیکورٹی اہلکار خاص وردی یا خاص پاس کے بغیر وہاں سے گزرنے ہی نہیں دیتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہے، اس کے گھر کی حدود بھی ہوں جس میں حج وعمرہ کے لئے خاص اجازت یا خاص وردی کے بغیر داخلہ ممنوع قرار دیا جائے۔

پس خاص اجازت سے مراد حج وعمرہ کی نیت کرنا ہے جس کا اظہار **لبیک اللّٰھم لبیک** کی دُعا سے کیا جاتا ہے۔ اس کو تلبیہ کہتے ہیں جس میں حاجی بار بار یہ اعلان کرتا ہے کہ درخواست قبول کر کے بیت اللہ کی زیارت اور حدودِ حرم میں قیام کی اس کو اجازت دے دی گئی ہے اور جہاں تک ایک خاص قسم کے لباس کا تعلق ہے، اس میں تہہ بند، چادر اور جوتا، تین چیزیں شامل ہیں۔ لباس نہ اس سے کم ہوگا اور نہ زیادہ۔ البتہ حاجی کا سر کھلا ہونا چاہیے اور جوتے میں ٹخنے ننگے ہونے چاہئیں۔ یہ وہ خاص قسم کا لباس ہے جس کا پہننا زائرینِ حرم کے لئے نہایت ضروری ہے۔

بیت اللہ کا جلال اور اس کے حرم کا تقدس

بیت اللہ کی عظمت کا باعث یہ نہیں ہے کہ اپنے عہد کا یہ ایک ترقی یافتہ نمونہ ہے جس کی عمارت بڑی بلند اور جس کے

ستون بہت پختہ ہیں بلکہ دیگر تمام جگہوں پر بیت اللہ کو یہ فضیلت اس وجہ سے حاصل ہے کہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب کی گئی ہے اور جو چیز بھی اللہ تعالیٰ سے منسوب ہوتی ہے، وہ مخلوق میں سے عظیم وجلیل بن جاتی ہے۔ چنانچہ انبیاء ورسل علیہم السلام بھی اس قدر شرف وفضل سے بہرہ مند نہ ہو پاتے اگر ان کو اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت نہ ہوتی حتیٰ کہ خود حرم بھی بیت اللہ ہی کے سبب سے محترم ہے۔ حرم اگر بیت اللہ کا احاطہ نہ ہوتا تو اس کو یہ فضیلت نہ مل پاتی۔ حرم چونکہ اللہ تعالیٰ کے گھر کا صحن ہے لہٰذا بہت ہی شان وشرف والا ہے۔

بیت اللہ کی حرمت وجلال کی علامت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت وحرم کی عظمت وکبریائی عرب وعجم کے دلوں میں ڈال دی ہے۔ چنانچہ عرب میں یہ بات مشہور تھی کہ حرم کی پناہ میں اگر کوئی مجرم بھی آجاتا تو اس کو امان دی جاتی تھی کہ یہاں آکر لوگ اپنے ہاتھ روک رکھتے تھے اور اگر کوئی شخص اپنے گلے میں طوق لٹکا لیتا، جو اس بات کی علامت ہوتی کہ وہ بیت اللہ کا حاجی یا حرم کا زائر ہے تو دور دراز کے سفر میں کوئی دشمن بھی اس کا راستہ نہیں روکتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو ادب کا مقام بنایا ہے اور لوگوں کے قائم رہنے کا سبب بنایا ہے اور عزت والے مہینے کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے ہوں۔

کتنے ہی جابروں نے حرم کے ساتھ سوئے ادبی کرنا چاہی مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں برباد کر کے رکھ دیا! اور کتنے ہی حملہ آوروں نے بیت اللہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ناکام بنا دیا؟ اصحابِ فیل کا واقعہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیت اللہ اور حرمِ مکی کا بڑا مقام ہے کہ کوئی بھی سرکش اس کے متعلق اپنے برے ارادے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ یہ درحقیقت اس بات کا اعلانِ عام ہے کہ حرم کی سرزمین وہ جگہ ہے جس میں شکاری نہ شکار کرسکتا ہے اور نہ ہی دشمن کسی قریب وبعید کو اذیت پہنچا سکتا ہے اور انسان وحیوان میں سے جو بھی اس میں داخل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاتا ہے جب تک کہ وہ فسق میں مشہور اور اذیت میں معروف نہ ہو۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ (العنکبوت:67)

''کیا بھلا انہوں نے نہیں دیکھا کہ یقیناً ہم نے حرم پُرامن بنایا ہے؟ حالانکہ لوگ اُن کے اردگرد سے اُچک لیے جاتے ہیں۔''

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلَى يَوْمِ

الْقِيَامَةِ وَاِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ اِلَّامَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا (بخاری:1587،مسلم:3302)

''اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش کے دن حرم قرار دیا تھا تو یہ اللہ تعالیٰ کے حرم قرار دینے کی وجہ سے قیامت تک حرم رہے گا اور اس حرم میں مجھ سے پہلے کسی کے لیے بھی قتال حلال نہیں تھا اور میرے لیے بھی ایک دن میں تھوڑی دیر کے لیے قتال حلال ہوا تھا تو اب یہ اللہ تعالیٰ کے حرم قرار دینے کی وجہ سے قیامت تک حرم رہے گا، نہ اس کے کانٹے کاٹے جائیں اور نہ ہی اس کے شکار کو بھگایا جائے اور کوئی بھی یہاں گری ہوئی چیز کو نہ اٹھائے سوائے اس کے کہ اسے اس کے مالک کو پہنچائی جائے اور نہ اس کی گھاس کاٹی جائے۔''

مواقیت کا بیان

اپنے اس فرمان میں اللہ تعالیٰ نے میقاتِ زمانی کا ذکر کیا ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ (البقرہ:197)

''حج کے مہینے معلوم ہیں۔''

لہٰذا جو شخص حج کا رادہ رکھتا ہو، انہی معلوم مہینوں میں اسے احرام باندھنا چاہیے جن میں شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن آئے ہیں کیونکہ یومِ اکبر کو حج ختم ہو جاتا ہے۔اس کو ''یومِ نحر'' بھی کہتے ہیں جو ذوالحجہ کی دس تاریخ ہوتی ہے۔لہٰذا گھر کے مالک نے زائرین کو جس وقت زیارت کا وعدہ دیا ہے، انتہائی نامناسب ہوگا اگر کوئی شخص اس وقتِ مقرر سے ناواقف ہو اور اس کے علاوہ کسی دوسرے وقت میں حج کے لئے احرام باندھ کھڑا ہو۔سلف وخلف میں سے تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ معلوم مہینوں کے علاوہ کسی وقت میں حج کا احرام باندھنا حرام ہے۔اس میں البتہ اختلاف ہے کہ اسی احرام میں اس کا حج منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟ معلوم مہینوں کا مسئلہ احرامِ حج کے ساتھ خاص ہے۔ جہاں تک عمرہ کے احرام کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے وسیع وقت دیا ہے چنانچہ تمام کا تمام سال ہی عمرہ کا وقت ہے۔کسی بھی مہینے میں اور کسی بھی دن میں اس کا احرام باندھا جا سکتا ہے۔

جہاں تک میقاتِ مکانی کا تعلق ہے، رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے شرقاً غرباً شمالاً جنوباً تمام اطراف سے اور نہایت واضح انداز میں میقاتِ مکانی کی حد بندی کر دی ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

وَقَّتَ رَسُوْلُ ا للهِ ﷺ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ ، وَلِاَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ ، وَلِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ ، وَلِاَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ ، فَهُنَّ لَهُنَّ ، وَلِمَنْ اَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ ، فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهَلُّهُ مِنْ اَهْلِهِ ، وَكَذَاكَ وَكَذَاكَ حَتّٰى اَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا (بخاری:1526،مسلم:2803)

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ کو میقات مقرر فرمایا اور شام والوں کے لیے جحفہ اور نجد والوں کے لیے قرن منازل اور یمن والوں کے لیے یلملم۔ یہ میقات ان ملک والوں کے ہیں اور ان لوگوں کے لیے بھی جو ان ملکوں سے گزر کر حرم میں داخل ہوں اور حج یا عمرے کا ارادہ رکھتے ہوں لیکن جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں ان کے لیے احرام باندھنے کی جگہ ان کے گھر ہیں یہاں تک کہ مکہ والے مکہ ہی سے احرام باندھیں گے۔''

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح ہے جو تمام مواقیتِ مکانیہ پر مشتمل ہے اور ان کو مکمل بیان کرتی ہے۔ ذیل میں ان مواقیت کی تفصیل دی جا رہی ہے:

(1) ذوالحلیفہ کا جدید نام آبارِ علی ہے۔ یہ میقات سب سے دور ہے جو مکہ مکرمہ سے دس منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ذوالحلیفہ اہلِ مدینہ کا میقات ہے جو مدینہ سے دو کلومیٹر دور ہے۔ جیسے یہ اہلِ مدینہ کا میقات ہے بالکل ایسے ہی اہلِ مدینہ کے علاوہ کوئی دوسرا اگر اس راہ سے آتا ہے، اس کا میقات بھی ذوالحلیفہ ہی ہوگا مثلاً جو حجاجِ کرام مدینہ کی زیارت حج سے پہلے کرنا چاہتے ہیں وہ مدینہ سے واپس مکہ جاتے وقت یہیں سے احرام باندھیں گے۔

(2) اہلِ مصر اور اہلِ شام کے میقات کا نام جحفہ ہے۔ علاوہ ازیں سعودیہ کے مغربی جانب پر واقع تمام علاقوں کا میقات بھی جحفہ ہے۔ اس کا دوسرا نام مہیعہ بھی ہے۔ اس بستی کے نشانات اب مٹ چکے ہیں۔ یہ بستی چونکہ رابغ کے قریب واقع تھی لہٰذا رابغ شہر کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے اور اب شام، مصر اور مغرب کا میقات یہ رابغ شہر ہی ہے۔ مکہ سے اس کا فاصلہ تقریباً چار منزل کا ہے۔

(3) اہلِ نجد کا میقات قرن منازل ہے جو مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر ہے۔

(4) اہلِ یمن کا میقات یلملم ہے۔ یہ بھی مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔

(5) اہلِ عراق اور تمام مشرقی علاقوں کا میقات ذاتِ عرق ہے جو مکہ سے ڈھائی منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ پچھلی حدیث میں اس میقات کا ذکر نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ جنابِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو میقات مقرر کیا تھا۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: "لَمَّا فُتِحَ هَذَانِ الْمِصْرَانِ اَتَوْا عُمَرَ فَقَالُوا : يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ! اِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ حَدَّ لِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنًا وَ هُوَ جَوْرٌ عَنْ طَرِيْقِنَا ، وَاِنَّا اِنْ اَرَدْنَا قَرْنًا شَقَّ عَلَيْنَا . قَالَ : فَانْظُرُوْا حَذْوَهَا مِنْ طَرِيْقِكُمْ فَحَدَّ لَهُمْ ذَاتَ عِرْقٍ (بخاری:1531)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوفہ و بصرہ کے دونوں شہر فتح ہو گئے تو بعض لوگ جنابِ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: "یا امیر المومنین! اہلِ نجد کے لئے رسول اللہ ﷺ نے قرن منازل کو میقات بنایا ہے جو ہماری راہ سے ذرا ہٹ کر واقع ہے۔ وہاں جاتے وقت ہمیں بہت مشکل پیش آتی ہے؟" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تم اپنی راہ پر قرن منازل کے برابر کوئی میقات دیکھو!" ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ذاتِ عرق کو ان کا میقات بنا دیا۔ "عرق ایک چھوٹی سی پہاڑی کا نام ہے۔"

لیکن ابوداؤد اور نسائی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ذاتِ عرق کو اہلِ عراق کے لئے خود رسول اللہ ﷺ نے میقات بنایا تھا۔ اس پر اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اہلِ عراق کے لئے رسول اللہ ﷺ میقات کیسے مقرر سکتے ہیں حالانکہ اس وقت تک عراق اسلامی شہر نہیں تھا کیونکہ خلافتِ فاروقی میں اس کو فتح کیا گیا جو رسول اللہ ﷺ سے بہت بعد کی بات ہے لہٰذا عقلاً یہ ناممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہلِ عراق اگرچہ بعد میں مسلمان ہوئے ہیں تاہم رسول اللہ ﷺ نے فتحِ عراق کی خوشخبری بھی سنا دی تھی اور ان کے لئے ذاتِ عراق کو میقات بھی بنا دیا تھا۔ کیا آپ ﷺ نے قرآنِ حکیم اس خدا سے حاصل نہیں کیا جو علم و حکمت والا ہے؟

(6) جو لوگ ان مواقیت سے لے کر مکہ کے درمیان میں رہتے ہیں، ان کا میقات ان کے گھر ہی ہیں۔ وہ یہیں سے احرام باندھیں گے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهَلُّهُ مِنْ اَهْلِهِ (بخاری:1526)

"اور جو ان کے علاوہ اپنے علاقوں میں رہنے والوں میں سے ہوں تو وہ اپنی حدود سے احرام باندھیں گے۔"

(7) اہلِ مکہ کا میقات ان کے گھر ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو مسجدِ حرام کو بھی میقات بنا سکتے ہیں۔ البتہ عمرہ کے احرام کے لئے اہلِ مکہ کو حدودِ حرم سے باہر آنا پڑے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا جب وہ حیض سے تھیں۔

(8) ایک میقات عام ہے جس کا مطلب ہے کہ جس راستے سے بھی کوئی شخص حج کے لئے آتا ہے وہ اس علاقے کے میقات سے احرام باندھے گا کیونکہ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

فَهُنَّ لَهُنَّ ، وَلِمَنْ اَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ (بخاری:1526)

''یہ میقات اس اہلِ علاقہ کے لئے ہیں، کوئی دوسرا بھی اگر اس جگہ آئے گا تو اس کا بھی یہی میقات ہوگا۔''

چنانچہ ایک شامی اگر یمن کے راستے آئے گا تو اہلِ یمن کے میقات **یلملم** سے احرام باندھے گا اور ایک یمنی اگر شام کے راستے آئے گا تو اہلِ شام کے میقات جحفہ سے احرام باندھے گا۔

احرام باندھے بغیر میقات سے گزرنے والے کے بارے میں حکم

جو شخص احرام نہیں باندھتا اور میقات سے گزر جاتا ہے، اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہ احرام باندھنے کے لئے دوبارہ میقات پر آئے گا لیکن میقات سے گزرنے کے بعد اگر وہ احرام باندھتا ہے اور میقات پر واپس نہیں آتا ہے تو اس کو دَم میں ایک بکری ذبح کرنا چاہیے کیونکہ اس نے حج کے واجبات میں سے ایک واجب کو ترک کر دیا ہے۔ یہ اس شخص کے بارے میں حکم ہے جو اپنے گھر ہی سے حج یا عمرے کا ارادہ کر کے نکلا ہو لیکن وہ حج یا عمرے کا اگر ارادہ نہیں رکھتا بلکہ کسی اور مقصد سے میقات کو تجاوز کر جاتا ہے اور مقصد پورا ہونے کے بعد حج یا عمرہ کی نیت کرتا ہے، اس کی مثال یہ دی جا سکتی ہے کہ مدینہ کے ایک شہری نے اپنی کسی کام کی غرض سے رابغ یا جدہ کا سفر کیا اور جب کام مکمل ہو گیا تو عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کو رختِ سفر باندھا لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسے شخص سے میقات میں واپس آنے کا مطالبہ کیا جائے گا اور نہ ہی اس پر دَم واجب ہوگا کیونکہ جب وہ میقات سے گزرا تھا، حج یا عمرے کا ارادہ نہ رکھتا تھا۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الحَجَّ وَالْعُمْرَةَ (بخاری:1526)

''یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو حج یا عمرے کا ارادہ رکھتا ہو۔''

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ میقات سے گزرتے وقت چونکہ اس نے حج یا عمرے کی نیت نہیں کی تھی لہٰذا اس پر کوئی شے واجب بھی نہیں ہے۔

احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہونے کے بارے میں حکم

امتِ اسلامیہ کے جمہور فقہاء کا مؤقف یہ ہے کہ جس شخص کو جنگ یا بیماری جیسا معقول عذر لاحق نہ ہو، احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہونا اس پر حرام ہے اور جو بلا کسی عذر کے احرام کے بغیر ہی مکہ میں داخل ہوگا، فقہاء کے نزدیک جانور کا فدیہ اس پر واجب ہے۔ ان کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جو بیہقی نے نقل کی ہے:

لَا يَدْخُلُ اَحَدٌ مَّكَّةَ اِلَّا مُحْرِمًا

''مکہ میں کوئی شخص احرام کے بغیر داخل نہ ہو۔''

ابن ابی شیبہ میں ہے:

لَا يَدْخُلُ اَحَدٌ مَّكَّةَ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ اِلَّا الْحطابِيْنَ وَالْعمالِيْنَ وَاَصْحَابُ مَنَافِعِهَا

''کاروباری حضرات کے سوا مکہ میں بلا احرام کوئی داخل نہ ہوگا۔''

تاہم محققین کا خیال یہ ہے کہ حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو تو احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہونے پر کوئی حرج یا گناہ نہیں ہے۔ ان کا مؤقف درج ذیل نکات پر مبنی ہے:

(1) جمہور نے جن حدیثوں سے استدلال کیا ہے وہ دونوں ضعیف ہیں۔

(2) امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں روایت بیان کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ احرام کے بغیر ہی میقات سے گزر جاتے تھے۔

(3) مواقیت کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الحَجَّ وَالْعُمْرَةَ (بخاری1526)

''یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو حج یا عمرے کا ارادہ رکھتا ہو۔''

اس فرمان کا مفہومِ مخالف اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جو شخص حج یا عمرے کا رادہ نہ رکھتا ہو میقات یا احرام کو ملحوظ رکھنا اس کے لئے بالکل ضروری نہیں ہے۔

(4) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے کاموں سے مکہ آتے جاتے رہتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو یہ حکم نہیں دیا کہ حج یا عمرے کے بغیر بھی مکہ میں داخل ہوتے وقت احرام باندھا کرو۔

حج وعمرہ کے ارکان

تمام ثابت شدہ اور برقرار چیزوں کے اَرکان ہوتے ہیں جوان کے قرارِثبوت میں بنیاد کا کام دیتے ہیں اور یہ تمام ارکان یاان میں سے بعض اگر ساقط ہوجائیں تو کوئی بھی شے منتشر ہونے سے نہیں بچ سکتی ہے۔ بالکل ایسے ہی حج وعمرہ کے بھی اَرکان ہیں جن کے ثبوت واقرار کی بناپر تزکیۂ نفس کی یہ عبادت بھی قائم ہے۔ ان میں سے جب کوئی رکن ساقط ہوتا ہے، عبادتِ حج فاسد ہوجاتی اور تزکیۂ نفس میں اپنی تاثیر کھوبیٹھتی ہے۔ چنانچہ حج کے ارکان کی پہچان بہت ضروری ہے جن پر حج جیسی نازک ترین عبادت کی بنیاد رکھی گئی ہے کیونکہ حج کی عبادت محدود وقت کے اندر ایک خاص جگہ پر ادا کی جاتی ہے۔ جس آدمی کی نماز فاسد ہوجاتی ہے وہ بآسانی اس کو دوبارہ پڑھ سکتا ہے اور جس کے ایک یا ایک سے زیادہ روزے فاسد ہوجاتے ہیں وہ بعد کے دنوں میں ان کی قضا کرسکتا ہے لیکن حج فاسد ہونے کی صورت میں انسان کو وقت، مال اور آرام کی بہت زیادہ تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ لٰہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے میں اجمالاً حج کے ارکان کا ذکر کردوں تاکہ انہیں یاد کرنا اور حج میں ان کا خیال رکھنا آسان رہے اور بعد میں تفصیل کے ساتھ دوبارہ انہیں بیان کروں گا۔

حج کے ہر رکن کے واجبات وسنن، آداب واحکام اور ہیئت وکیفیات الگ الگ ہیں۔ میں ترتیب وار ہر رکن کو درجہ بہ درجہ بیان کرتا ہوں۔ اَرکان حج یہ ہیں:

(1) احرام باندھنا۔ (2) عرفات میں وقوف کرنا۔

(3) بیت اللہ کا طواف کرنا۔ (4) صفاومروہ کی سعی کرنا۔

حج کے یہ کل چار ارکان ہیں جبکہ عمرہ کے کل تین ارکان ہیں:

(1) احرام باندھنا۔ (2) بیت اللہ کا طواف کرنا (3) صفاومروہ کی سعی کرنا۔

حاشیہ: حلق کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ارکانِ عمرہ میں سے ایک رکن ہے یا اس کے واجبات میں سے ایک واجب ہے۔

ایک اہم بات کا جاننا نہایت ضروری ہے کہ عرفات میں وقوف کرنا حج کا ایک ایسا رکن ہے جس کے رہ جانے سے اعمالِ حج کے اہم ترین واجبات وسنن بھی ادا نہیں ہو پاتے مثلاً عرفہ کی رات منیٰ میں گزارنا، مزدلفہ میں رات بسر کرنا، مشعرِ حرام کے پاس وقوف کرنا، جمرۂ عقبہ کو کنکر مارنا، کنکر کے تین دن منیٰ میں گزارنا اور شیاطین کو ہر روز زوال کے بعد کنکر مارنا۔

تنبیہ: حج اور عمرہ کے مشترکہ ارکان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا حج کا احرام، عمرہ کے احرام کی مانند ہے۔ حج کا طواف عمرہ کے طواف کی مانند ہے اور حج وعمرہ کی سعی میں بھی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ ہمارے خیال میں ارکانِ حج کی گفتگو ارکانِ عمرہ کے لئے بھی کافی ہے۔ ان ارکان کو اب تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

احرام؛ حج وعمرہ کا پہلا رکن

احرام کا معنیٰ ومفہوم

حج یا عمرہ میں داخل ہونے کی نیت کرنا احرام کہلاتا ہے۔ جب کوئی شخص حج یا عمرہ میں داخل ہونے کی نیت کرتا ہے اس کے لئے عربی زبان میں احرم کا کلمہ استعمال کیا جاتا ہے۔

اَحْــــرَمَ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص حرم میں داخل ہوتا ہے (مثلاً جب کوئی شخص صبح میں داخل ہو اس کے لئے اَصْبَـحَ کہتے ہیں اور جب کوئی شخص سمندر میں داخل ہوتا ہے اس کے لئے اَبْــحَـرَ استعمال کرتے ہیں) بالکل ایسے ہی حرم میں داخل ہونے والے پر اَحْـرَمَ کا لفظ بولا جاتا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ اب اس کی حالت یہ ہے کہ بعض جائز چیزیں بھی اس پر حرام ہوگئی ہیں جو اس سے پہلے جائز تھیں مثلاً سر ڈھانپنا، سلا کپڑا پہننا، خوشبو لگانا، عورت کو چھونا، شکار کرنا وغیرہ۔

واجباتِ احرام

احرام کے واجبات بھی ہیں جن کی پہچان ضروری ہے کیونکہ جس کا واجب رہ جائے گا فقراء ومساکین کے لئے ایک جانور کی قربانی اس پر عائد ہوجاتی ہے تاکہ واجب کے رہ جانے سے حج یا عمرہ میں جو نقص پیدا ہوا تھا، قربانی کے ذریعے سے اس کی تلافی ہوجائے۔ احرام کے واجبات یہ ہیں:

(1) میقات سے احرام باندھنا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم بھی دیا ہے اور خود بھی آپ ﷺ نے احرام باندھا ہے۔

(2) سلائی شدہ کپڑا اتار دینا۔

(3) تلبیہ پکارنا۔ جمہور نے تلبیہ کو اگرچہ احرام کی سنت کہا ہے مگر امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ احرام کا واجب ہے بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے تلبیہ پکارا بھی ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے جس سے اس کے واجب ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

سننِ احرام

احرام کی سنتیں بھی ہیں جن کا علم ہونا چاہیے۔ وہ سنتیں درج ذیل ہیں:

(1) عورت حیض سے ہو یا نفاس سے غسل کرنا۔

(حاشیہ: عورت کا ماہواری کا خون حیض کہلاتا ہے پیدائش کے بعد جاری ہونے والا خون، نفاس کہلاتا ہے۔ مترجم)

بہرحال وہ غسل کرے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اپنی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو نفاس میں بھی غسل کرنے کا کہہ دو چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ : نُفِسَتْ اَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ بِمُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ بَكْرٍ بِالشَّجَرَةِ ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَبَا بَكْرٍ ، يَأْمُرُهَا اَنْ تَغْتَسِلَ وَتُهِلَّ (مسلم:2908)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ یہ (اسماء) غسل کریں اور احرام باندھ لیں۔

(2) احرام میں تہہ بند اور چادر کا کپڑا صاف ستھرا اور سفید رنگ کا ہونا۔ یہ آپ ﷺ کی فعلی سنت ہے۔

(3) فرض یا نفل نماز کے بعد احرام باندھنا۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی، اونٹنی پر سوار ہوئے اور بیداء کی بالائی جانب پہنچ کر احرام باندھا۔

(4) احرام سے پہلے ناخن کاٹنا، مونچھیں تراشنا، بغلیں اُکھیڑنا، زیرِ ناف بال مونڈنا اور خوشبو لگانا بھی سنت ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کو بہترین خوشبو لگایا کرتی تھی۔"

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ : كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بِاَطْيَبِ مَا اَقْدِرُ عَلَيْهِ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ ثُمَّ يُحْرِمُ . (مسلم:2830)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو اس سے قبل کہ آپ ﷺ احرام باندھتے آپ ﷺ کو جس قدر اچھی خوشبو لگا سکتی لگاتی۔"

(5) تلبیہ کی بار بار تجدید کرنا۔

(6) تلبیہ کے بعد دُعا کرنا اور درود پڑھنا بھی سنت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تلبیہ سے فارغ ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کا سوال کرتے اور جہنم کی آگ سے اس کی رحمت کے ساتھ پناہ مانگتے تھے۔'' (شافعی نے روایت کیا)

احرام میں ممنوع کام

احرام کی حالت میں بعض کام ممنوع ہیں جو درج ذیل ہیں:

(1) سر ڈھانپنا۔ رسول اللہ ﷺ نے احرام میں اس سے منع کیا ہے۔

(2) گنج کروانا یا بال کٹوانا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی منع کیا ہے۔

(3) ناخن کاٹنا کیونکہ اس سے بھی رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے۔

(4) خوشبو لگانا۔ اس سے بھی حالتِ احرام میں منع کیا گیا ہے۔

(5) سلا کپڑا پہننا بھی حرام ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : لَا يَلْبَسُ الْقُمُصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّآ اَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ ، وَلَا تَلْبَسُوا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ اَوْ وَرْسٌ (بخاری:1542)

ایک شخص نے آپ ﷺ سے سوال کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! محرم کون سا کپڑا پہن سکتا ہے؟'' فرمایا: ''محرم کو شلوار، قمیض، پگڑی، کوٹ اور موزے پہننا جائز نہیں ہے البتہ جس کے پاس جوتا نہ ہو، وہ موزے پہن سکتا ہے مگر ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے۔ وہ زعفران اور ورس جیسی خوشبو لگا کپڑا بھی نہیں پہن سکتا۔''

وَلَا تَنْتَقِبِ الْمَرْاَةُ الْحَرَامُ وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ (ترمذی:833)

''عورت احرام میں نقاب کرے گی نہ ہی دستانے استعمال کرے گی۔''

(6) نکاح پڑھانا خواہ حاجی کا ہو یا غیر حاجی کا، مطلقاً منع ہے۔

(7) منگنی کا پیغام دینا خواہ حاجی کا ہو یا غیر حاجی کا، مطلقاً منع ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكَحُ وَلَا يَخْطُبُ (مسلم:3446)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:''محرم نہ اپنا نکاح کرے گا، نہ ہی کسی دوسرے کا کروائے گا حتی کہ منگنی کا پیغام بھی نہیں دے گا''۔

(8) خشکی کے جانور کو شکار کرنا بھی حرام ہے کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ۔(المائدہ:95)

''اے ایمان والو! جب تم حالتِ احرام میں ہو تو شکار نہ مارو۔''

(9) بیوی سے صحبت کرنا بھی جائز نہیں۔قرآنِ حکیم میں ''فلا رفث'' سے مراد جماع نہ کرنا ہے۔جماع سے حج فاسد ہو جاتا ہے جبکہ دیگر ممنوعات سے حج فاسد نہیں ہوتا بلکہ ان میں روزہ یا کھانا یا قربانی کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے۔

(10) مقدماتِ جماع بھی ناجائز ہیں مثلاً بوسہ دینا، شہوانی نگاہ سے دیکھنا یا شہوت سے چھونا وغیرہ۔ یہ تمام حرکات رَفث کی جنس میں داخل ہیں جس کو حرام کیا گیا ہے:

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ (البقرہ:197)

''وہ حج کے دوران نہ فحش گوئی کرے، نہ فرمانی کے کام اور نہ لڑائی جھگڑا۔''

ممنوع کے ارتکاب کا حکم

حرام میں اگر کسی ممنوع کام کا اِرتکاب ہو جاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ:

☆ ممنوع کام کا تعلق سر ڈھانپنے یا سلا کپڑا پہننے یا سر منڈوانے یا خوشبو لگانے سے ہو تو اس صورت میں حاجی روزہ یا کھانا یا قربانی کا فدیہ ادا کرے گا کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ۔(البقرہ:196)

''تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو روزے، صدقے یا قربانی میں سے فدیہ ہے۔''

روزے تین دن کے ہوں گے، کھانا ساٹھ مسکینوں کا ہوگا اور ہر مسکین کا حصہ آدھا صاع کھانے کی مقدار ہوگی اور قربانی میں ایک بکری ذبح کی جائے گی۔

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : مَا كُنْتُ أُرَى اَنَّ الْجَهْدَ قَدْ بَلَغَ بِکَ هَـذَا ، أَمَا تَـجِـدُ شَاةً ؟ قُلْتُ : لَا ، قَالَ : صُمْ ثَلاثَةَ اَيَّامٍ ، اَوْ اَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِّنْ طَعَامٍ ، وَاحْلِقْ رَأْسَکَ (بخاری:4517)

عبداللہ بن معقل سے روایت ہے کہ میں کعب بن عجرہ کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ سے رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا: ''جوئیں شاید تمہارے سر میں تکلیف پہنچا رہی ہیں؟'' کہا: ''ہاں یارسول اللہ ﷺ !'' فرمایا: ''اپنا سر منڈوا دو! تین دن روزہ رکھو یا ساٹھ مساکین کو کھانا دو یا ایک بکری قربان کرو۔''

☆ممنوع کا ارتکاب اگر شکار کرنے کی صورت میں ہے تو شکاری پر اس جانور کا بدل ہوگا۔ اس کی شرائط کا بیان بعد میں کیا جائے گا۔

☆ممنوع کا ارتکاب اگر جماع کی صورت میں ہوا ہے اور یہ جماع وقوفِ عرفہ سے پہلے عمل میں آیا ہے تو حج فاسد ہو جائے گا، تاہم حاجی اس فاسد حج کو مکمل کرے گا اور ایک اونٹ کی قربانی دے گا جبکہ آئندہ سال کا حج کرنا بھی اس پر فرض ہے۔ قربانی کے لئے اونٹ اگر میسر نہ ہو تو دس دن روزے رکھے گا۔

☆ممنوع کام کا ارتکاب اگر مقدماتِ جماع کی صورت میں ہوا ہے مثلاً بوسہ دینا یا گلے ملنا وغیرہ، اس میں ایک جانور کی قربانی کرنا ہوگی۔

(حاشیہ: جماع کے علاوہ نگاہ، لمس یا مباشرت سے اگر منی خارج ہو جاتی ہے تو اس بابت اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق حج فاسد ہو جائے گا، دوسرے کے مطابق نہیں ہوگا تاہم اس پر اونٹ کی قربانی کا فدیہ ہے۔ اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ دن یا رات کو نیند میں ہونے والا احتلام البتہ حج کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔)

☆ممنوع کام کا ارتکاب اگر نکاح یا منگنی کی صورت میں ہوا ہے تو فاعل پر گناہ ہے، اس کو توبہ واستغفار کرنا چاہیے لیکن اس پر کسی قسم کا فدیہ نہیں ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ یا اصحابِ رسول ﷺ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

محرم کس حیوان کو قتل کر سکتا ہے؟

سانپ، بچھو، چوہا، باؤلا کتا، چیل اور ہر تکلیف دہ جانور کو حل یا حرم میں قتل کرنا محرم کے لئے جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَرْبَعٌ كُلُّهُنَّ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِی الْحِلِّ وَالْحَرَمِ ، الْحِدَأَةُ وَالْغُرَابُ وَالْفَأْرَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ (مسلم:2861)

''پانچ حیوان تکلیف دہ ہیں، حرم میں بھی جن کو قتل کیا جا سکتا ہے: کوا، چیل، بچھو، چوہا، باؤلا کتا۔''

شکار کے بدل کی شرائط

جس آیتِ کریمہ کی رُو سے محرم پر شکار کرنا حرام کیا گیا ہے اسی میں بدل کی شرائط بھی بیان کردی گئی ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ آیتِ کریمہ یہ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَ بَالَ اَمْرِهٖ ؕ۔(المائدہ:95)

''اے ایمان والو! جب تم حالتِ احرام میں ہو تو شکار کو نہ مارو۔ اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر اسے مارے گا تو اس کا بدلہ اسی کی طرح کا جانور ہے جیسا کہ اس نے مارا ہے۔ اس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے۔ یہ کعبہ کو پہنچنے والا نذرانہ ہے۔ یا کفارے میں مسکینوں کا کھانا ہوگا یا اس کے برابر روزے ہوں گے تا کہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔''

آیتِ کریمہ بدل کی جن شرائط پر مشتمل ہے وہ درج ذیل ہیں:

(1) بدل میں پہلی شرط مثل کی ہے۔ لہٰذا جو حیوان شکار میں قتل کیا گیا ہے بدل میں بھی اس جیسے چوپائے / جانور کی رعایت رکھی جائے گی مثلاً نیل گائے کا مثل گھریلو گائے اور ہرن کا مثل بکری ہے۔

(2) بدل کی دوسری شرط حکمین ہے یعنی دو مسلمان جو عادل ہوں۔

(حاشیہ: اس میں اختلاف ہے کہ حکمین میں سے ایک شکاری ہوسکتا ہے یا دونوں ہی شکاری کے علاوہ ہوں گے۔ آیت کا ظاہر یہی تقاضا ہے کہ حکمین بہر حال شکاری کے علاوہ دو فراد ہوں گے۔)

(3) بدل میں تیسری شرط یہ ہے کہ وہ ہدی کا جانور ہوگا جس کو حرم میں پہنچایا جائے گا اور وہیں کے فقراء مساکین اس کا گوشت کھائیں گے۔

(4) شکاری جانور کے مثل اگر کوئی چوپایہ دستیاب نہیں ہے تو اس کی قیمت لگائی جائے گی جس سے غلہ خرید کر صدقہ کے طور پر حرم میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

(حاشیہ: اس میں اختلاف ہے کہ مثلی جانور کی قیمت کہاں طے کی جائے گی؟ ایک قول کے مطابق جس جگہ شکار کیا گیا وہاں جانور کی قیمت لگائی جائے گی۔ دوسرے کے قول مطابق مکہ فقراء کے کھانے کی جگہ ہے لہٰذا وہاں قیمت طے کی جائے گی۔)

قیمت بھی اگر ادا نہیں کر سکتا تو ہر مد کے عوض روزہ رکھے گا۔

(حاشیہ: آخر میں اگر نصف یا چوتھائی مد بچ رہے گا تو کسر کو گرا دیا جائے گا اور اس کی جگہ ایک روزہ رکھا جائے گا کیونکہ روزے کو نصف یا ربع میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہے۔)

شکار کا مثل

(1) شتر مرغ کا مثل اونٹ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا فیصلہ کیا۔

(2) نیل گائے کا مثل گھریلو گائے ہے۔ جنابِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا حکم دیا۔

(3) جنگلی گدھے کا مثل بھی پالتو گائے ہے۔ جنابِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا حکم دیا۔

(4) بجّو کا مثل مینڈھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا۔

(5) بارہ سنگھے کا مثل گائے ہے۔ اس کا فیصلہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

(6) دو دانتا پہاڑی بکرے کا مثل گائے ہے۔

(7) پہاڑی بکرے کا مثل گائے ہے۔

(8) ہرن کا مثل بکری ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہرن میں بکری ہے۔'' یہ روایت دار قطنی میں ہے۔ جنابِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔

(9) خرگوش کا مثل بکری کا ایک سالہ مؤنث بچہ ہے۔ اس کا حکم جنابِ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(10) وَبر کا مثل بکری کا بچہ ہے۔ وَبر سیاہ رنگ کا چھوٹا سا جانور ہے جس کی دُم نہیں ہوتی۔ یہ بلی کی شکل کا ہوتا ہے۔

(11) کبوتر کا مثل بکری ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا فیصلہ کیا تھا۔

(12) جنگلی چوہے کی مثل بکری کا موٹا تازہ بچہ ہے۔ جنابِ عمر رضی اللہ عنہ اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے یہی فیصلہ دیا ہے۔
(نوٹ: شکار میں اگر کئی افراد شریک ہوں گے تو مثل یا قیمت میں بھی سارے ہی برابر کے شریک ہوں گے اور اگر صدقہ نہ کر سکیں تو ہر مد کے عوض تمام افراد روزے رکھیں گے۔)

چھوٹے حیوانات کا حکم

چیونٹی، مکڑی، مکھی، مچھر اور چیچڑ وغیرہ جیسے حیوانات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان میں کھانے کی چیز کا ایک ایک لپ (دو مٹھیاں) دیا جائے گا لیکن مکڑیاں جب دس سے تجاوز کر جائیں گی تو ان کی قیمت دی جائے گی۔ بعض کہتے ہیں کہ ان حیوانات کی جزاء نہیں دی جائے گی البتہ مکڑی میں قیمت ادا کی جائے گی۔ شتر مرغ یا دیگر پرندوں کے انڈوں کی قیمت متعین ہو گی اور جس جانور کا دودھ ہو گا، اس دودھ کی بھی قیمت ہی ادا کرنا پڑے گی۔

احکامِ الٰہی کا فلسفہ وحکمت

عبادت کے تمام اعمال میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پائی جاتی ہے اور ہر حکم سے یہی حکمت اللہ تعالیٰ کا مقصود ہوتا ہے۔ کسی عبادت میں یہ حکمت بالکل ظاہر ہوتی ہے اور کسی عبادت کی حکمت ظاہر ہونے کی بجائے پوشیدہ ہوتی ہے لہٰذا ایسی عبادت کے بارے میں ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ شارع نے اس کا ہمیں حکم دیا ہے۔ اس کی حکمت سے اگر چہ ہم آگاہ نہیں تاہم اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہم پر واجب ہے۔ لہٰذا کسی عبادت کی حکمت سے ہماری ناواقفیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اس عبادت میں کوئی حکمت پائی ہی نہیں جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ فضول قسم کے احکامات صادر کرنے سے پاک ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ (الدخان:38)

''اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو اُن دونوں کے درمیان ہے کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔''

البتہ تمام احکامِ شریعہ میں ایک عمومی قسم کی حکمت بہر حال موجود ہوتی ہے۔ اس حکمت کے مطابق بندوں کا امتحان لیا جاتا ہے کہ اوامر ونواہی میں اطاعتِ الٰہی پر کون کتنا کاربند رہتا ہے؟ فرمانِ ربّانی ہے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ (العنکبوت:2)

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ یہ کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا؟''

مذکورہ وضاحت کے ساتھ عرض یہ ہے کہ تمام مناسکِ حج کے بعد اپنے خیال کے مطابق میں نے ان کی حکمتیں بھی درج کردی ہیں۔ یقیناً میں ایک خطا کار انسان ہوں لہٰذا جو باتیں ان میں صحیح ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے صحیح ہیں جس پر میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان میں سے جو باتیں غلط ہیں وہ میرے اور شیطان کی وجہ سے غلط ہیں جس پر میں اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار ہوں۔ لہٰذا جب میں یہ کہوں گا کہ اس عبادت میں فلاں فلاں حکمت پائی جاتی ہے، اس سے کہیں بھی میرا مقصد

حکمت کومحدود کرنا نہیں ہوگا کہ جس عبادت کی جو حکمت میں نے بیان کر دی ہے اس کے علاوہ کوئی اور حکمت اس میں ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اس ایک عبادت میں کئی اور حکمتیں بھی ہوسکتی ہیں جن کا اِدراک شاید میں نہ کر پایا ہوں گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو حکمت بنتی نہ تھی میں نے بسا اوقات عبادت کی حکمت میں اس کو بیان کر دیا ہے کیونکہ حکمت کی تلاش سراسر ایک اجتہادی کام ہے اور اجتہاد کرنے والا ثواب پر بھی ہوسکتا ہے، خطا پر بھی ہوسکتا ہے۔ اس موضوع پر میں اجتہاد کر رہا ہوں اور مجھے یہی کافی ہے کہ اجتہاد کرنے والا غلطی پر ایک اجر اور درستی پر دو اجر پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خطاؤں سے ہماری حفاظت کریں۔ (آمین)

حرمتِ شکار کی حکمت

احرام میں شکار کو حرام قرار دینے کی حکمت اس آیتِ کریمہ کی رو سے اہلِ فکر پر خوب عیاں ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٩٤ (المائدہ:94)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ تمہیں شکار میں سے کسی چیز سے ضرور آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچتے ہوں گے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ پھر اس کے بعد جس نے زیادتی کی تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اس آیتِ کریمہ میں شکار کی حرمت کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ جان لے کہ بن دیکھے اس سے کون ڈرتا ہے۔ یہیں سے اس کی حکمت معلوم ہو جاتی ہے اور ہم یہ جان پاتے ہیں کہ اس حرمت میں بندۂ مومن سے خشیتِ الٰہی کا امتحان اور خوفِ خدا کا اظہار مقصود ہے۔ یہی خوفِ خدا بندۂ مؤمن کو تمام احکامات میں اطاعتِ الٰہی پر آمادہ کرتا ہے اور اسی اطاعت پر دنیا و آخرت کی کامیابی کا انحصار ہے کیونکہ احرام کی حالت میں بندۂ مومن کو جب شکار دکھائی دیتا ہے جو اس کے ہاتھ اور نیزے کی مکمل دسترس میں بھی ہوتا ہے لیکن وہ خوفِ خدا کی بنا پر اس سے اعراض کرتا اور خشیتِ الٰہی کے سبب اس کی جانب متوجہ نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا اب امید کی جاسکتی ہے کہ وہ دنیا کی زینت اور زندگی کی آسائش سے بھی اعراض کرے گا جو اپنی کشش میں بہرحال اس سے کئی گنا بڑی ہیں۔ چنانچہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا، کوئی شراب اسے فتنہ میں مبتلا نہیں کرے گی، کوئی جؤا اسے ہوائے نفس پر نہیں اُکسائے گا، کوئی مال اسے سرکش نہیں بنائے گا اور کوئی زنا اسے ہلاکت سے دوچار نہیں کرے گا۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ احرام ایک درس گاہ کی مانند ہے جہاں بندۂ مومن کے دل میں خشیتِ الٰہی فروغ پاتا اور زندگی کے

لئے باہمت لوگ تیار ہوتے ہیں۔اور یہ بھی ایک معروف حقیقت ہے کہ شکار ایک کھیل ہے جو بہر حال غفلت کا پیش خیمہ ہے اور یہ دونوں مشاغل ہی حج کی عبادت اور احرام کے لباس سے میل نہیں کھاتے ہیں۔

یہاں ایک اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ شکار کی حرمت کا مقصد جب اس کھیل تماشے سے بچانا ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے تو سوال یہ ہے کہ جس جانور کو خود اس نے شکار نہیں کیا، اس کا گوشت کھانا اس پر حرام کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو جانور اس کے لئے شکار کیا گیا ہے وہ گویا اس کی مشاورت سے شکار ہوا ہے لہٰذا اس پر حرام ہے لیکن جو جانور اس کے لیے شکار نہیں کیا گیا اس کا گوشت کھانا اس پر حرام نہیں ہے۔

احرام میں شکار کے ممنوع ہونے کی ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ **لبیک اللّٰھم لبیک** کہتے ہی محرم لذات کے تمام مشاغل کو پسِ پشت ڈال دیتا اور تزکیۂ نفس کے لیے مکمل یکسوئی کے ساتھ ذکرِ الٰہی کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے لہٰذا شکار جیسے کھیل کود میں مشغول ہونے کا اب کوئی جواز باقی نہیں رہتا ہے۔

شکار کے حرام ہونے میں ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ذکرِ الٰہی سے محرم کا دل اس حد تک نرم اور اس کا احساس اس قدر نازک ہو جانا چاہیے کہ کسی جانور کا قتل تو درکنار اس کو تکلیف دینے کی ہمت بھی اپنے اندر وہ نہ پاتا ہو۔

احرام کا طریقہ اور حج کی تین اقسام

اس سے احرام کی کیفیت اور اس کی صفت مراد ہے کہ عمرہ یا حج کرنے والا اس میں کیسے داخل ہوگا؟ امتِ مسلمہ میں سلف وخلف کے تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حج کی تین قسمیں ہیں:

(1) حجِ اِفراد (2) حجِ قِران (3) حجِ تمتع

اگرچہ اس مسئلے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان تینوں میں سے کون سا حج افضل ہے؟ تاہم جواز کی حد تک تینوں پر اتفاق ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط (آل عمران:97)

''اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔''

فرمانِ ربّانی ہے:

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ط (البقرہ:158)

''یقیناً صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پھر جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے۔''

حکمِ خداوندی ہے:

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرہ:196)

''اور حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو۔''

مذکورہ آیاتِ مبارکہ اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ ایک مسلمان پر کسی ایک متعین حج کا احرام باندھنا واجب نہیں ہے بلکہ تینوں میں سے کسی حج کا بھی وہ احرام باندھ سکتا ہے۔ اس موضوع سے متعلقہ صحیح احادیث بھی کسی ایک حج کو خصوصاً ایک مسلمان پر لازم نہیں کرتی ہیں بالکل ایسے ہی افضل حج سے متعلقہ احادیث میں بھی کوئی قطعی دلیل نہیں پائی جاتی ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(1) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ہم حج کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ : خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ :مَنْ اَرَادَ مِنْكُمْ اَنْ يُهِلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ ، وَمَنْ اَرَادَ اَنْ يُهِلَّ بِحَجٍّ فَلْيُهِلَّ ، وَمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهِلَّ . قَالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا : فَأَهَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِحَجٍّ وَّاَهَلَّ بِهِ نَاسٌ مَّعَهُ ، وَاَهَلَّ نَاسٌ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ ، وَاَهَلَّ نَاسٌ بِعُمْرَةٍ ، وَكُنْتُ فِيمَنْ اَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ . (مسلم:2913)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ ہم حج کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو چاہتا ہے حج و عمرہ دونوں کا تلبیہ پکار سکتا ہے اور جو چاہتا ہے اکیلا عمرے کا تلبیہ پکار سکتا ہے۔'' فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا تلبیہ پکارا، لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کا تلبیہ پکارا۔ بعض لوگوں نے حج و عمرہ کا اور بعض نے عمرے کا تلبیہ پکارا اور میں نے بھی عمرے کا تلبیہ پکارا تھا۔''

اس حدیث میں یہ دلیل پائی جاتی ہے کہ تینوں میں سے کسی بھی حج کا احرام باندھا جا سکتا ہے اور ایک حج کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں ہے۔

(2) قَالَ عِمرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ : نَزَلَتْ ايَةُ الْمُتْعَةِ فِيْ كِتَابِ اللهِ يَعْنِيْ مُتْعَةَ الْحَجِّ ، وَاَمَرَنَا بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ، ثُمَّ لَمْ تَنْزِلْ ايَةٌ تَنْسَخُ آيَةَ مُتْعَةِ الْحَجِّ ، وَلَمْ يَنْهَ عَنْهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتّٰى مَاتَ ، قَالَ رَجُلٌ بِرَأْيِهِ بَعْدُ ، مَا شَآءَ (مسلم:2980)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اورامام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب تمتع کی آیت **فمن تمتع بالعمرة الی الحج** نازل ہوئی چنانچہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمتع کا حج کیا، آپ ﷺ کی وفات تک نہ اس کی حرمت میں قرآن نازل ہوا اور نہ ہی آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔''

اس حدیث میں حجِ تمتع کے جواز کی دلیل پائی جاتی ہے۔

(3) قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ شَقِيقٍ : كَانَ عُثْمَانُ يَنْهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ ، وَكَانَ عَلِيٌّ يَأْمُرُ بِهَا (مسلم:2962)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اورامام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن شقیق سے روایت کیا ہے: جناب علی رضی اللہ عنہ حج کے ساتھ عمرے کا حکم دیا کرتے تھے لیکن جناب عثمان رضی اللہ عنہ اس سے منع کرتے تھے؟

(حاشیہ: بیان کیا جاتا ہے کہ بعد میں جنابِ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے اس مؤقف سے رجوع کر چکے تھے۔عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی بات کی تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ جانتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمتع کیا ہے؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں لیکن ہم خوف کھاتے ہیں۔'')

یہ حدیث بھی تمتع کے جواز کی دلیل ہے۔اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین تمتع کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف پایا جاتا تھا اور صحیح بات یہ ہے کہ تمتع جائز ہے تاہم اس حدیث میں ایک قسم کو دوسری قسم پر ترجیح کی بحث نہیں ہے۔

(4) عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ : شَهِدْتُ عُثْمَانَ وَعَلِيًّا رضی اللہ عنہما وَعُثْمَانُ يَنْهَى عَنِ الْمُتْعَةِ وَأَنْ يُجْمَعَ بَيْنَهُمَا ، فَلَمَّا رَأَى عَلِيٌّ أَهَلَّ بِهِمَا لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ قَالَ : مَا كُنْتُ لأَدَعَ سُنَّةَ النَّبِيِّ ﷺ لِقَوْلِ أَحَدٍ (بخاری :1563)

مروان بن حکم سے روایت ہے: ''میں عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا! عثمان رضی اللہ عنہ حج وعمرہ کو جمع کر کے تمتع سے منع کرتے تھے۔ جناب علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو **لبیک بعمرہ وحجة** کہہ کر دونوں

کا تلبیہ پکارنا شروع کر دیا اور فرمایا: میں ایک شخص کی بات پر رسول اللہ ﷺ کی سنت نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔''

اس حدیث میں تمتع اور قران کی دلیل ہے اور اس کے جواز و عدم جواز میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلاف کا اشارہ ہے۔

(5)عَن حَفُصَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتُ : قُلُتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ ! مَا شَأنُ النَّاسِ حَلُّوا وَلَمُ تَحِلَّ أَنُتَ ؟ قَالَ : اِنِّيُ لَبَّدُتُ رَأُسِيُ وَقَلَّدُتُ هَدُيِيُ فَلا اَحِلُّ حَتّٰى اَحِلَّ مِنَ الُحَجِّ (بخاری : 1697)

ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''لوگ عمرے سے حلال ہو چکے ہیں اور آپ ﷺ ابھی تک حلال نہیں ہوئے ہیں کیا بات ہے؟'' فرمایا: ''میں نے ہدی کو قلادہ باندھا اور سر کو گوندھا ہوا ہے لہٰذا حج سے پہلے میں حلال نہیں ہو سکتا''۔

اس حدیث میں دلیل یہ ہے کہ حج کو عمرے میں بدلا جا سکتا ہے لیکن جو قربانی ساتھ لے کر آیا ہو اس پر ایسا حرام ہے۔

(6)عَنُ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اَفُرَدَ الُحَجَّ (ترمذی:820)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج اِفراد کیا۔

یہ حدیث حج اِفراد کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

(حاشیہ: یہ بات مدینہ سے نکلنے وقت کی ہے جب آپ ﷺ نے یہ باور کرایا کہ آپ ﷺ حج کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن جب وادیٔ عقیق پر پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو تلبیہ میں حج و عمرہ کہنے کا حکم دیتے ہیں۔)

(7) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نافع نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث احمد و مسلم میں ہے۔ سابقہ حدیث کی مانند جوازِ اِفراد پر ہی دلالت کرتی ہے۔

(8)عَنُ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : سَمَعُتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوُلُ : لَبَّيُکَ بِعُمُرَةٍ وَّحَجَّةٍ (ترمذی:821)

جناب انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو حج اور عمرہ دونوں کا تلبیہ پکارتے سنا کہ آپ ﷺ کہہ رہے تھے۔ (لبیک عمرۃ و حجاً) یا اللہ! میں عمرہ اور حج کے لیے حاضر ہوں۔

اس میں حجِ قران کا جواز ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے متعلقہ صورتِ فرد اور حدیثِ قران میں جمع کی حدیث یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اِفراد کا احرام باندھا اور اسی کا تلبیہ پکارا تھا لیکن بعد میں آپ ﷺ نے اس میں عمرہ بھی شامل کر دیا اور دونوں کا تلبیہ پکارا چنانچہ اس وقت آپ ﷺ قارن بن گئے۔

(9) اَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ حَدَّثَهُ قَالَ : حَدَّثَنِي النَّبِيُّ ﷺ قَالَ : اَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِّنْ رَّبِّي وَهُوَ بِالْعَقِيْقِ اَنْ صَلِّ فِي هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ ، وَقُلْ : عُمْرَةٌ وَحَجَّةٌ (بخاری:7343)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں نے وادیٔ عقیق میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: رات کو رب کی جناب سے ایک پیغام بر میرے پاس آیا اور کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز ادا کریں اور کہیں: ’’عمرہ فی حج‘‘

اس حدیث میں قِران کا جواز ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقیق مبارک وادی ہے۔

(10) عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ : أَقْبَلْنَا مُهِلِّيْنَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِحَجٍّ مُّفْرَدٍ ، وَأَقْبَلَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا بِعُمْرَةٍ ، حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِسَرِفَ عَرَكَتْ ، حَتّٰى إِذَا قَدِمْنَا طُفْنَا بِالْكَعْبَةِ وَالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ، فَأَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يَّحِلَّ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَكُنْ مَّعَهُ هَدْيٌ ، قَالَ فَقُلْنَا : حِلُّ مَاذَا ؟ قَالَ : الْحِلُّ كُلُّهُ فَوَاقَعْنَا النِّسَآءَ وَتَطَيَّبْنَا بِالطِّيْبِ ، وَلَبِسْنَا ثِيَابَنَا ، وَلَيْسَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ إِلَّا أَرْبَعُ لَيَالٍ ، ثُمَّ أَهْلَلْنَا يَوْمَ التَّرْوِيَةِ ، ثُمَّ دَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا ، فَوَجَدَهَا تَبْكِي ، فَقَالَ : مَا شَأْنُكِ ؟ قَالَتْ : شَأْنِي أَنِّيْ قَدْ حِضْتُ ، وَقَدْ حَلَّ النَّاسُ ، وَلَمْ أَحْلِلْ ، وَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ ، وَالنَّاسُ يَذْهَبُونَ إِلَى الْحَجِّ الْآنَ ، فَقَالَ : إِنَّ هٰذَا أَمْرٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ ، فَاغْتَسِلِي ثُمَّ أَهِلِّيْ بِالْحَجِّ فَفَعَلَتْ وَوَقَفَتِ الْمَوَاقِفَ حَتّٰى إِذَا طَهَرَتْ طَافَتْ بِالْكَعْبَةِ وَالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ، ثُمَّ قَالَ : قَدْ حَلَلْتِ مِنْ حَجِّكِ وَعُمْرَتِكِ جَمِيعًا فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ ! إِنِّيْ أَجِدُ فِي نَفْسِي أَنِّي لَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ حَتّٰى حَجَجْتُ ، قَالَ : فَاذْهَبْ بِهَا يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ! فَأَعْمِرْهَا مِنَ التَّنْعِيمِ وَذٰلِكَ لَيْلَةَ الْحَصْبَةِ . (مسلم:2937)

جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج افراد کا تلبیہ پکارتے جا رہے رتھے اور عائشہ رضی اللہ عنہا عمرے کا تلبیہ پکار رہی تھیں اور جب ہم سرف نامی جگہ پر پہنچے تو انہیں حیض آنا شروع ہو گیا۔ مکہ پہنچ کر طواف سعی کے بعد، آپ نے ہم سے فرمایا: جس کے پاس قربانی کا جانور نہیں ہے وہ حلال ہو سکتا ہے۔عرض کیا گیا: کس چیز سے؟ فرمایا: ''ہر چیز سے'' چنانچہ ہم عورتوں کے پاس بھی گئے، ہم نے خوشبو بھی لگائی اور لباس بھی پہنا حالانکہ عرفہ میں ابھی چار راتیں باقی تھیں۔آٹھویں تاریخ کو ہم نے حج کا احرام باندھا۔آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔جو رو رہی تھیں۔آپ ﷺ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ کہا: مسئلہ یہ ہے کہ مجھے حیض آ گیا ہے۔اور لوگ حلال ہو گئے ہیں مگر میں حلال نہیں ہوئی اور نہ ہی میں بیت اللہ کا طواف کر سکی ہوں اور لوگ اب حج کو جا رہے ہیں۔فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر حیض لکھ دیا ہے تم نہا کر حج کا حرام باندھو۔انہوں نے ایسا ہی کیا اور مزدلفہ وعرفہ میں قیام بھی کیا اور جب پاک ہو گئیں تو بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف بھی کیا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے حج اور عمرہ دونوں سے حلال ہو چکی ہو۔عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! عمرہ میں بیت اللہ کا طواف نہ کرنے کی حسرت ہے۔فرمایا: عبدالرحمٰن! عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنعیم تک عمرہ کے احرام کے لئے لے جاؤ۔یہ محصب کی رات تھی۔''

اس حدیث میں دلیل یہ ہے کہ اِفراد و تمتع جائز ہیں اور جو قربانی نہ پاتا ہو وہ حج کو عمرے میں بدل سکتا ہے اور حج کے درمیان میں حائضہ کے حکم کا بیان ہے۔مکہ سے عمرہ کرنے والا احرام کے لئے لازماً حِل میں جائے گا۔

(11) سَمِعْتُ سَرَاقَةَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِيْ الْحَجِّ اِلَى يَومِ الْقِيَامَةِ .(احمد:175/4 حدیث:17726)

سراقہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: قیامت تک عمرہ، حج میں داخل ہے۔''

اس میں جوازِ قران کی دلیل ہے۔

(12) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَرَجْنَا نَصْرُخُ بِالْحَجِّ فَلَمَّا قَدِمْنَا مَكَّةَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ

ﷺ اَنْ نَجْعَلَهَا عُمْرَةً قَالَ وَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِی مَاسْتَدْبَرْتُ لَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً وَلٰكِنْ سُقْتُ الْهَدْیَ وَقَرَنْتُ بَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ (احمد:3/148حدیث:12530)

جناب انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ہم حج کا تلبیہ پکارتے نکلے اور جب مکہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حج کو عمرہ بنانے کا حکم دے دیا اور فرمایا: جس کی خبر مجھے بعد میں ہوئی پہلے اگر مجھے اس کا علم ہو جاتا تو میں بھی اس کو عمرہ بنا دیتا۔ لیکن میں چونکہ قربانی ساتھ لایا ہوں لہٰذا میں حج وعمرہ کے درمیان قران کروں گا۔

جو قربانی ساتھ نہ لایا ہو اس حدیث کی رُو سے وہ حج کو عمرہ میں بدل سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا تمتع کی تمنا کرنا اس کے مستحب ہونے کی دلیل ہے اگر چہ خود آپ ﷺ نے تمتع نہیں کیا۔ تاہم عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو تمتع کو جائز نہیں سمجھتے، ان کے خلاف تمتع کے جواز کی یہ ایک تاکیدی دلیل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایک حج کو دوسرے حج سے افضل قرار دینا ایک پرانا اختلافی مسئلہ ہے۔ بعض ائمہ نے جن دلائل کی بنا پر ایک حج کو افضل کہا ہے، دوسرے علماء نے اپنے خیال میں افضل حج پر ان سے استدلال نہیں کیا ہے لیکن اس مسئلہ میں ائمہ کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ان میں سے کسی حج کے لئے بھی احرام باندھا جا سکتا ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ حج کو عمرے میں بدل دینا بھی جائز ہے بالکل ایسے ہی حج اِفراد پر عمرہ داخل کر کے اس کو قِران بنانا بھی جائز ہے اور اس میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ طواف کا آغاز کرنے سے پہلے پہلے عمرہ پر حج کو بھی داخل کیا جا سکتا ہے۔

لیکن تمتع کی افضیلت کے دلائل زیادہ مضبوط ہیں اور تمتع کا مطلب یہ ہے کہ آدمی عمرے کا احرام باندھے گا اور عمرہ کر کے حلال ہو جائے گا اور احرام میں جو چیزیں اس پر ممنوع تھیں اب وہ آٹھویں ذوالحجہ تک ان کو استعمال کر سکتا ہے اور آٹھ ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ کر اصحابِ رسول ﷺ کی مانند حج کے لئے نکل کھڑا ہو گا۔

اس پر تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ جو شخص عمرہ کے لئے ایک سفر کرتا ہے اور حج کے لئے دوسرا سفر کرتا ہے، اس کے لئے اِفراد افضل ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اجماع بیان کیا ہے۔

اور جو شخص حِل سے قربانی لاتا ہے اس کے لئے قِران افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہی حج کیا تھا۔ چنانچہ ایک شخص اگر عمرہ کے بعد اپنے وطن آ کر دوبارہ حج کے لئے نہیں جاتا یا حِل ہی سے قربانی اپنے ساتھ نہیں لاتا، اس کے لئے بہر حال تمتع ہی افضل ہے۔

تلبیہ کا طریقہ

حج کی نیت سے بلند آواز کے ساتھ تلبیہ پکارنے کو اِہلال کہتے ہیں ۔اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ جو شخص احرام باندھنا چاہتا ہے وہ ناخن کاٹے گا،مونچھیں تراشے گا،زیرِ ناف بال مونڈے گا،بغلیں اُکھاڑے گا،غسل کرے گا،سفید چادر اور تہ بند زیبِ تن کرے گا اور خوشبو لگائے گا۔

میقات پر پہنچ کر جائز وقت میں سنتِ احرام کی دو رکعتیں ادا کرے گا۔اگر وہ چاہتا ہے تو نماز کے فوراً بعد بھی تلبیہ پکار سکتا ہے اور چاہتا ہے تو سوار ہونے تک اس کو مؤخر بھی کرسکتا ہے۔حجِ اِفراد کا تلبیہ وہ ان الفاظ میں پکارے گا: ''**لبیک اللّٰھم لبیک حجّاً**'' یا ان الفاظ میں تلبیہ پکارے گا: **لبیک اللّٰھم لبیک بالحج** ،حجِ تمتع کا تلبیہ وہ ان الفاظ میں پکارے گا: ''**لبیک اللّٰھم لبیک عمرہ**'' یا ان الفاظ میں پکارے گا: **لبیک اللّٰھم لبیک بالعمرۃ** اور حجِ قِران کا تلبیہ ان الفاظ میں پکارے گا: **لبیک اللّٰھم لبیک حجاً وعمرۃً** یا ان الفاظ میں پکارے گا: **لبیک اللّٰھم لبیک بالحج والعمرۃ**''۔اگر وہ چاہتا ہے تو احرام میں اس قسم کی شرط بھی لگا سکتا ہے کہ یا اللہ! زمین میں جس جگہ تو مجھے روک دے گا وہیں پر میرے حلال ہونے کا مقام ہوگا۔اس شرط کا فائدہ یہ ہے کہ راستے میں اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے وہ حج تک نہیں پہنچ پاتا تو اپنا احرام کھول کر حلال ہو جائے گا اور اس پر کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں ہوگا۔

> **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷠ : اَنَّ ضُبَاعَةَ بِنْتَ الزُّبَيْرِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، أَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ ! اِنِّیْ اُرِيْدُ الْحَجَّ [أَ] أَشْتَرِطُ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قَالَتْ : فَكَيْفَ اَقُوْلُ ؟ قَالَ : قُوْلِیْ : لَبَّيْکَ ! اَللّٰهُمَّ لَبَّيْکَ ! وَمَحِلِّیْ مِنَ الْاَرْضِ حَيْثُ حَبَسْتَنِی**
>
> (ابو داؤد:1776)
>
> حضرت ابن عباس ﷠ بیان کرتے ہیں کہ (ام حکیم) ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حج کا ارادہ رکھتی ہوں تو (کیا) شرط کرلوں؟ فرمایا: ہاں! کہنے لگیں: تو کیسے کہوں؟ فرمایا: کہو: **لبیک اللّٰھم لبیک**۔۔۔میں راستے میں وہیں حلال ہو جاؤں گی جہاں تو مجھے روک لے گا۔

مرد بلند آواز کے ساتھ بلا تکلف تلبیہ پکارے گا جبکہ عورت کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ آہستہ آواز میں تلبیہ پکارے گی تاہم اس کے پاس بیٹھی عورت اگر اس کی آواز کو سن لے گی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔تلبیہ کے مکمل الفاظ یہ ہیں:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْک لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْک اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ

''میں حاضر ہوں یا اللہ! میں حاضر ہوں ۔ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے میں حاضر ہوں ۔
بلا شبہ تمام تعریفیں، تمام نعمتیں اور تمام بادشاہی تیری ہے اور ان میں تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔''

تلبیہ کے ان الفاظ میں اگر وہ ''**لَبَّیْکَ ذَالمَعَارِج**'' یا ''**لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ**'' یا ''**لَبَّیْکَ الٰہُ الْحَق**'' کا اضافہ کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اسلاف سے یہ الفاظ بھی ثابت ہیں۔ تلبیہ سے فراغت کے بعد دُعا کرنا اور درود پڑھنا بھی مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تلبیہ سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا کی، جنت کے حصول کی اور آگ سے پناہ کی دُعا فرمائی تھی۔ مختلف اوقات میں مثلاً سوار ہوتے وقت، پڑاؤ کرتے وقت، نماز پڑھتے وقت یا ملاقات کرتے وقت تلبیہ کی تجدید کرتے رہنا بھی مستحب عمل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

من لبی حتی تغرب الشمس فقد امسی مغفوراً له (اورده شيخ الاسلام ابن تيميه فى منسكه)

''جس آدمی نے غروبِ آفتاب تک تلبیہ پکارا، اسی شام کو اسے معاف کر دیا گیا''۔

(حاشیہ: ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت اپنی مسند میں بیان کی ہے۔)

ذکرِ الٰہی کے علاوہ دیگر تمام باتوں سے پرہیز کرنا بہتر ہے کیونکہ اسلاف کے بارے میں آیا ہے کہ احرام باندھ کر گویا وہ گونگے بن جاتے کہ کہیں کسی ممنوع بات کا اظہار ہی نہ ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (البقرہ:197)

''تو حج میں نہ شہوانی باتیں کرنا ہے، نہ نافرمانی کرنا ہے، نہ لڑائی جھگڑا کرنا ہے۔''

لہٰذا حج میں رفث، فسق اور جدال جیسی ممنوع باتوں اور حرام کاموں سے بچنے کا بہترین طریقہ زبان کی خاموشی، اللہ تعالیٰ کا ذکر اور کائنات میں غور ہے جس کی بے شمار نشانیاں اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت اور اس کی عظیم سلطنت کا پتہ دیتی ہیں۔ راستے میں دوسروں کے ساتھ نیکی کا جذبہ اور احسان کا رویہ اختیار کرنا بہتر ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کا حج قبول و منظور فرمائیں۔ لہٰذا ضرورت مندوں کی ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے، دوسروں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرنا چاہیے، ان سے نرم انداز میں گفتگو کرنا چاہیے اور انہیں سلام کہنا اور کھانا کھلانا چاہیے۔

مکہ پہنچ کر اندر داخل ہونے سے قبل غسل کرنا بھی مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ داخل ہوتے وقت ذی طویٰ کے مقام پر غسل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ مکہ کو اور جو مکہ کا احترام کرتا ہے اس کو عزتیں عطا فرمائیں۔ (آمین)

احرام کی حکمت

حس و مشاہدہ سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ اجسامِ خفیفہ وہ ہیں جو بلند ہوتے ہیں اور اوپر ہیں اور اجسامِ ثقیلہ وہ ہیں جو پست ہوتے ہیں، نیچے آتے ہیں جبکہ ارواح تمام کی تمام طبعاً علویہ ہیں چنانچہ وہ بلندی کی مشتاق ہوتی ہیں۔ فطری لحاظ سے وہ اسی کی خواہش کرتی ہیں اور طبعی اعتبار سے وہ اس میں ہی رغبت رکھتی ہیں۔

دائمی علو ہی ہمارے نفس کی منزلِ مقصود ہے جس کو پانے کے لیے خیر و طاعت اور عدل و احسان کے افعال مدد بہم پہنچاتے ہیں جبکہ شرور و جرائم اور ذنوب و مفاسد جیسے اعمال اس علوم و کمال کے لیے رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے یہ صدا دے کر علوِ مرغوبہ کے دلدادہ نفس کے لیے حبّ کمال کے ساتھ اپنا ہاتھ بڑھا دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ (الذاریات:50)

''چنانچہ اللہ تعالیٰ کی جانب دوڑو۔''

اور اس پر اپنا دروازہ کھول دیا ہے۔ چنانچہ فرمان ربانی ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ (آل عمران:97)

''اور لوگوں میں سے جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اللہ تعالیٰ کے گھر کا حج کرنا اس پر فرض ہے۔''

اس روحانی سفر کے لیے نفس کو زاد و تخفیف کی اشد ضرورت ہے کیونکہ اپنے ربّ سے بُعد کی بنا پر وہ محتاج ہے اور دنیا سے قرب کی وجہ سے وہ ثقیل ہے مگر جس نے اپنی محبت کے صحن میں اس کے لیے احسان کا دستر خوان بچھا دیا ہے وہ کبھی اس کو بھلا ہی نہیں سکتا لہٰذا اس نے یہ فرما کر نفس کو بہترین زادِ راہ عطا کر دیا ہے:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (البقرہ:197)

''اور زادِ راہ لے لو بلاشبہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔''

کپڑوں کو اتار دینے اور گناہوں سے پاک رہنے کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے نفس کو تخفیف کے لیے تیار کیا ہے۔ یہیں سے احرام کی حکمت بھی واضح ہو جاتی ہے اور گناہوں سے باز رہنے کا راز بھی ہم پا جاتے ہیں۔

حاجی اللہ تعالیٰ کا مہمان بن رہا ہے لہٰذا مالک سے ملاقات کے لیے اس کو خوبصورت لباس زیبِ تن کرنا چاہیے اور اپنے خوف واطاعت کے سوا دنیا میں کوئی خوب صورتی نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا یا اس سے خوش ہوتا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے حاجی کو بہترین صورت اختیار کرنی چاہیے اور عجز وانکسار کے سوا کوئی صورت بھی بہترین صورت نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے حجاج کرام اس حال میں ملاقات کریں کہ ان کے پاؤں میں جوتے نہ ہوں، ان کے تن پر کپڑے نہ ہوں، ان کے بال غبار آلود ہوں اور ان کے وجود گرد بار ہوں اور تلبیہ، دُعا اور تضرع کے ساتھ اپنی روح کو پاک کرنا ان کا مقصد ہو، لہٰذا وہ اس انداز میں وہاں پہنچیں اور اپنے مالک کی رضا کے حق دار قرار پائیں۔ حیاتِ دنیوی میں ہمارا اور ان کا یہی مشن ہے۔ یا اللہ! آپ ہمیں اپنے قریب کریں، اپنے سے دور نہ کریں! ہمارے ساتھ جڑ جائیں، ہم سے ٹوٹ نہ جائیں! ہم پر خوش ہو جائیں، ہم سے ناراض نہ ہوں! آمین آمین یا ربّ العالمین۔

مکہ مکرمہ اور اس کے حرم کی حدود

مکہ

مکہ ایک نہایت ہی عظمت وتقدس کا مقام اور بہت ہی شرف وفضیلت کی جگہ ہے۔ اگر چہ کہنے کو مکہ ایک شہر کا نام ہے تاہم یہ جگہ دنیا کے تمام شہروں سے اعلیٰ اور زمین کے تمام علاقوں سے افضل ہے کیونکہ یہ شہر بیت اللہ کے اردگرد اور حرم اللہ کے درمیان میں واقع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام رُوئے زمین کی بہ نسبت مکہ سب سے زیادہ پسند ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسی کے بارے میں فرمایا تھا:

> عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَدِيّ بْنِ حَمْرَاءَ [الزُّهْرِيِّ] قَالَ : رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَاقِفًا عَلَى الْحَزْوَرَةِ ، فَقَالَ : وَاللهِ ! اِنَّكِ لَخَيْرُ اَرْضِ اللهِ ، وَاَحَبُّ اَرْضِ اللهِ اِلَى اللهِ ، وَلَوْلَآ اَنِّیْ اُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ (ترمذی:3925)
>
> عبداللہ بن عدی بن حمراء سے روایت ہے کہ انھوں نے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حزورہ کے اوپر کھڑے ہوئے دیکھا اور فرماتے تھے کہ قسم ہے اللہ کی! اے مکہ! تو اللہ کی ساری زمین سے بہتر ہے۔

اور اللہ کو ساری زمین سے پیارا ہے اور اگر میں نہ نکالا جاتا تو ہرگز تجھ سے باہر نہ جاتا۔

مکہ وہ شہر ہے کہ جب سے ابراہیم علیہ السلام کے قدمین مبارکہ نے اس کو روندا اور اسماعیل علیہ السلام نے اپنی صبح وشام اس کی مٹی میں گزارے ہیں اس وقت سے لے کر لوگوں کے امن وثواب کا گہوارہ بن گیا اور صدہا سال گزرنے کے باوجود مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت وتقدس میں اضافہ ہوتا چلا گیا ہے۔

اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ قَامَ یَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ : اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ مَکَّۃَ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ فَھِیَ حَرَامٌ بِحَرَامِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ (بخاری:4313)

فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا: ''مکہ وہ شہر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی پیدائش کے دن ہی سے حرام قرار دیا ہے اور یہ قیامت کے دن تک اللہ تعالی کی حرمت کی ساتھ حرام ہی رہے گا''۔

لہٰذا ہم یہ توقع کرتے ہیں کہ جس شہر کو اللہ تعالیٰ نے بڑائی عطا کی ہے اور جس کو حرمت سے نوازا ہے، قارئینِ کرام کے دل میں بھی اس کی زیادہ سے زیادہ عظمت واحترام پیدا ہوگا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کے گھر میں داخل ہوں اور شکریے کی ساتھ یہاں سے نکلیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے شہر کے جو حقوق ہم پر واجب ہوتے ہیں، ہمارے اس خشوع وشکر سے ان کا بہت ہی کم حق ادا ہوتا ہے۔

حدودِ حرم

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر ممنوع علاقے کی حد بندی ہوتی ہے جس کو بعض علامات سے نمایاں کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی منع کردہ ایک علاقہ ہے جس کو حرم کہا جاتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے جنابِ ابراہیم علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر حدودِ حرم سے انہیں متعارف کروایا تھا اور انہوں نے پہچان کے لئے ان پر چند نشانات نصیب کردیئے تھے۔ چنانچہ جنابِ ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدودِ حرم پر علامتی نشان مقرر فرمائے۔ عرب میں قُصی نے بھی اس عہد کی تجدید کی۔ زمانۂ رسول ﷺ میں قریشِ مکہ نے بھی ان کا خیال رکھا۔ جنابِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفائے اسلام بھی وقتاً فوقتاً ان کی مرمت کا کام کرواتے رہے اور سب سے آخر میں ملک سعود بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دورِ حکومت میں ان حدود کی اصلاح کروائی ہے۔

حدودِ حرم اوران کی مسافت کا بیان درج ذیل ہے:

(1) شمال میں مدینہ کی جانب تنعیم کا مقام ہے۔ یہاں مسجدِ عائشہ بھی تعمیر کی گئی ہے۔ تنعیم کا مسجدِ حرام سے قریباً چار میل کا فاصلہ ہے۔

(2) جنوب میں جدہ کی جانب حدیبیہ کا مقام ہے۔ حدیبیہ کا مسجدِ حرام سے قریباً دس میل کا فاصلہ ہے۔

(3) مشرق میں نجد کی جانب جعرانہ کا مقام ہے۔ جعرانہ کا مسجدِ حرام سے قریباً آٹھ میل کا فاصلہ ہے۔

(4) مغرب میں عرفات کی جانب نمرہ کا مقام ہے۔ نمرہ کا مسجدِ حرام سے قریباً تیرہ میل کا فاصلہ ہے۔

مکہ اور مسجدِ حرام میں داخل ہونے کے آداب

حرم وتقدس کی بنا پر مکہ مکرمہ کے چند آداب ہیں لہٰذا:

(1) مکہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مقامِ ذی طویٰ پر مکہ میں داخل ہونے کے لیے غسل کیا تھا۔

(2) محلاہ کے راستے بلندی کی جانب سے مکہ میں داخل ہونا چاہیے اور شبیکہ کے راستے نشیبی علاقے سے نکلنا چاہیے۔

(3) مسجدِ حرام میں بنی شیبہ کے دروازے سے داخل ہونا مستحب ہے۔ آج کل اس کو باب السلام کہا جاتا ہے۔

(4) مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے:

بِسْمِ اللهِ وَبِاللهِ، وَمِنَ اللهِ وَاِلَى اللهِ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي اَبْوَاب فَضْلِكَ.

''میں اللہ تعالیٰ کے نام سے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے، اللہ تعالیٰ کے گھر میں داخل ہوتا ہوں۔ یا اللہ! مجھ پر اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔''

(5) بیت اللہ کو دیکھتے ہی اپنا ہاتھ بلند کر کے یہ دعا کرنی چاہیے:

اللهم انت السلام ومنک السلام ودارک دار السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام اللهم ان هذا بیتک عظمته وکرمته وشرفته اللهم فزده تعظیما وزده تشریفا وتکریما وزده مهابته وزد من حجة برًّا وکرامته .

''یا اللہ تو سلامتی والا ہے، سلامتی تیری جانب سے ہے، ہمارے ربّ! ہمیں سلامتی سے زندہ رکھ۔ یا

اللہ!اس گھر کے شرف وعظمت اورتکریم وہیبت میں اضافہ فرمااورحج وعمرہ میں جوجواس کاعزت و احترام کرتاہے یااللہ!اس کے شرف،عظمت،عزت،ہیبت اورنیکی میں اضافہ فرما۔"

تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جوتمام جہانوں کاپروردگار ہے،اتنی کثیر تعریفیں جن کاوہ اہل ہےاورجواس کے جلال وکمال کے لائق ہیں۔تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جس نے مجھے اپنے گھر بلایااور مجھے اس کا اہل سمجھا۔ہرحال میں تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں۔یااللہ!تو نے مجھے بیتِ حرام کے حج کا حکم دیااور میں اس کے لئے چلاآیاہوں۔یااللہ!میراحج قبول فرما!میری خطاؤں سے درگزرفرما!میرے تمام معاملات درست کر!یااللہ!تیرے علاوہ کوئی معبودنہیں ہے۔

بیت اللہ کی تاریخ

بیت اللہ کی تاریخ بلاشبہ بہت پرانی ہے۔اس کے بارے میں ارشادِ ربّانی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٦﴾ (آل عمران:96)

"یقیناً پہلا گھر وہی ہے جولوگوں کے لیے مکہ میں بنایا گیا۔جوبہت بابرکت ہے اورسارے جہان والوں کے لیے ہدایت کامرکز ہے۔"

فرمانِ ربّانی ہے:

وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ ۔(الحج:26)

"اورجب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ مقررکی۔"

یہ آیتِ مبارکہ ہماری اس جانب رہنمائی کرتی ہے کہ بیت اللہ کی عمارت قدیم ہونے کے علاوہ مجدوشرف میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی ہے۔

البتہ اس کے بارے میں اختلاف پایاجاتاہے کہ سب سے پہلے بیت اللہ کس نے بنایا؟ کہاجاتاہے کہ فرشتوں نے اللہ تعالی کے حکم سے اس کوتعمیر کیا تھا۔اس کے بعد جناب آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کواُستوار کیااورآدم علیہ السلام کی اولادنے بھی اس کو مرمت کیاحتی کہ جنابِ نوح علیہ السلام نے بیت اللہ کاحج کیا تھا۔ان کے بعد جنابِ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اسی جگہ پراس کی بنیادرکھی۔اس کے بعدقومِ عمالقہ،قبیلۂ جرہم،قصی بن کلاب،قریشِ مکہ اور65ھ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی تعمیرفرمائی۔حجاج بن یوسف نے74ء میں اورعباسی خلیفہ سلطان مرادخان نے1040ھ میں اس کومرمت کروایا۔

یہ کام اس اصلاح وتعمیر کے علاوہ ہے جومسلمان خلفاء وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں۔سب سے آخر میں ملک سعود بن عبدالعزیز نے 1377 میں یہ خدمت سرانجام دی جوشاہ فیصل اور شاہ خالد کے دور میں پایۂ تکمیل تک پہنچی اور توسیع کا کام شاہ فہد کے دورِ حکومت میں مکمل ہوا۔

تعمیرِ کعبہ کی تاریخ میں کوئی قطعی دلیل ایسی نہیں پائی جاتی جوابراہیم علیہ السلام سے قبل بنائے کعبہ کا ثبوت فراہم کرتی ہو بلکہ قرآنی آیات کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر میں پہلی اینٹ جنابِ ابراہیم علیہ السلام اور جنابِ اسماعیل علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں رکھی تھی۔

اگر حقیقت کی پہچان ہمارے پیشِ نگاہ نہ ہوتی تو اس بحث کو ہم بالکل ہی اہمیت نہ دیتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ بیت اللہ کو جوشرف حاصل ہے وہ اس کی عمارت کے قدیم ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس بنا پر حاصل ہے کہ بیت اللہ اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب ہے،توحیدِ الٰہی کا مظہر،ہدایتِ انسانی کا منارہ اور مسلمانوں کا قبلہ ہے۔

بیت اللہ کا شرف وعظمت

کہا جاتا ہے کہ کسی چیز کے زیادہ نام اس کی عظمت کی دلیل ہوتے ہیں۔اگر یہ مقولہ درست ہے تو بیت اللہ کے بھی بے شمار نام اور لاتعداد صفات ہیں۔اس کے ناموں میں بیت اللہ، بیت العتیق، بیت الحرام، الکعبہ، القبلہ، البیت اور دعامتہ الاسلام جیسے نام شامل ہیں۔یہ نام جس قدر بھی زیادہ ہوں، بیت اللہ کے شرف کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بہتر انداز میں بہر حال بیان نہیں کر سکتے ہیں۔ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ (آل عمران: 96.97)

''یقیناً پہلا گھر وہی ہے جولوگوں کے لیے مکہ میں بنایا گیا۔جو بہت بابرکت ہے اور سارے جہان والوں کے لیے ہدایت کا مرکز ہے۔اس میں روشن نشانیاں ہیں۔مقامِ ابراہیم ہے۔اور جو اس میں داخل ہوجائے وہ امن میں ہے۔اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کے گھر کا حج کرے۔''

فرمانِ الٰہی ہے:

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ -(المائدہ:97)

''اللہ تعالیٰ نے حُرمت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے لیے مرکز بنایا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''بیت اللہ اسلام کی بنیاد ہے جو شخص حج یا عمرہ کے لئے بیت اللہ کا سفر کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ضمان میں آجاتا ہے اس پر وہ اگر وہ موت طاری کر دے گا تو جنت میں داخل کرے گا اور اگر زندہ رکھے گا تو اجر و غنیمت کیساتھ واپس لوٹائے گا۔'' (طبرانی)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''اللہ تعالیٰ دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ جن میں سے ستر اس کا طواف کرنے والوں کے لئے ہیں، چالیس اس میں نماز پڑھنے والوں کے لئے ہیں اور بیس اس کو دیکھنے والوں کے لئے ہیں۔'' (بیہقی)

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ کعبہ کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، ما اَطْيَبَكِ ريحَكِ ، وَاَعْظَمَ حُرْمَتَكِ ، والمُوْمِنُ اَعْظَمُ حُرْمَةً مِنْكَ اِنَّ اللّٰهَ تعالىٰ جَعَلَكِ حَرَاما ، وحَرَّمَ مِنَ المُوْمِنِ مَالَهُ ودَمَهُ وعِرْضَهُ واَنْ نَظُنَّ بِهِ ظَنّاً سَيِّئاً . (مجمع الزوائدللهيثمی:630/3حديث:5736,المعجم الكبير للطبرانی:37/11)

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کعبہ! تو کس قدر خوبصورت ہے! تیری فضا کتنی پیاری ہے! تیری حرمت کتنی عظیم ہے! لیکن ایک مومن کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف تجھے حرمت عطا کی ہے۔ لیکن اس نے ایک مومن کے مال کو، اس کے خون کو، اس کی عزت کو اور اس سے بدگمانی کو حرام قرار دیا ہے۔''

حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کا مقام و مرتبہ

بیت اللہ میں سے حجرِ اسود اور رکنِ یمانی زیادہ فضیلت رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حجر کو چومنا اور رکن کو چھونا مشروع کیا گیا

ہے۔کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کے شرف کی وجہ یہ ہے کہ شامی رکنوں کے برعکس یہ دونوں ابراہیمی بنیادوں پر قائم ہیں۔شامی رکن اپنی بنیادوں پر قائم نہیں رہے کیونکہ قریش نے جب کعبہ تعمیر کیا تو سات ہاتھ زمین کم کر کے اس کی بنیادیں تبدیل کر دیں اور اخراجات کے ناکافی ہونے کی وجہ سے بیت اللہ کو اصل بنیادوں پر انہوں نے تعمیر نہ کیا کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ بیت اللہ کی تعمیر میں حلال ہی خرچ کیا جائے لیکن حلال کی رقم ان کے پاس کم پڑ گئی۔چنانچہ انہوں نے موجودہ بنیادوں پر ہی اکتفا کیا اور شمال کی جانب سے حجر تک سات ہاتھ زمین کو چھوڑ دیا۔یہی وجہ ہے کہ شامی رکن چونکہ ابراہیمی بنیادوں پر قائم نہیں لہٰذا ان کا استلام بھی مستحب نہیں ہے۔

مومنین کے نزدیک حجرِ اسود کا بہت مقام اور مسلمین کے ہاں اس کی بڑی قدر ہے کیونکہ اس کے علوِ مقام اور عظمتِ شان پر احادیث و آثار پائے جاتے ہیں جو حجرِ مقدس کے شرف و تعظیم اور ہیبت وجلال میں اضافہ کر دیتے ہیں۔فرمان نبوی ﷺ ہے:

''حجر اسود زمین پر اللہ کا داہنا ہاتھ ہے۔'' (طبرانی ابن خریمہ)

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَمْرٍو ؓ يَقُوْلُ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ : اِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ يَاقُوْتَتَانِ مِنْ يَاقُوْتِ الْجَنَّةِ طَمَسَ اللهُ نُوْرَهُمَا وَلَوْلَمْ يَطْمِسْ نُوْرَهُمَا لَاضَاءَ تَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (ترمذی :878)

ارشادِ رسول ﷺ ہے:''حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتی پتھر ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو ختم کر دیا ہے۔اور اللہ تعالیٰ ان کے نور کو اگر نہ اچکتا تو مشرق ومغرب روشن ہو جاتے۔''

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِي الْحَجَرِ : وَاللهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ (ترمذی:961)

ابن عباس ؓ سے روایت ہیت فرمانِ نبوی ﷺ ہے:''قیامت کے دن حجر اسود کی دو آنکھیں ہوں گی جس سے وہ دیکھتا ہوگا اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ بات کرتا ہوگا۔جس شخص نے اس کو استلام کیا ہوگا۔اس کے حق میں سفارش کرے گا۔''

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ .(ترمذی:877)

آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''حجرِ اسود جنت سے آیا ہے یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا لیکن ابنائے آدم کے گناہوں نے اس کو سیاہ کر دیا ہے۔''

اس حجر کے شرف میں یہی بات کافی ہے کہ اولادِ آدم کے سردار ﷺ نے اس کو بوسہ دیا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم اس پتھر کو بکثرت بوسے دیا کرو کیونکہ بہت جلد تم اسے گم کر بیٹھو گے۔ لوگ رات کو اس پر طواف کریں گے لیکن جب صبح کریں گے تو اس کو گم پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جنت کی کوئی چیز دنیا پر نہیں چھوڑے گا بلکہ قیامت سے پہلے ہی اس کو جنت میں واپس لے جائے گا۔'' (رواہ الازرقی فی التاریخ)

مقام و مرتبہ میں رکنِ یمانی حجرِ اسود سے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا ہے بلکہ ہر ایک کے اپنے اپنے فضائل اور الگ الگ خصائص ہیں۔ رکنِ یمانی کو رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ چھوا کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا:

''میں جب بھی اس کے پاس آیا ہوں، استلام کرنے والوں کے لئے جبریل علیہ السلام کو استغفار کرتے پایا ہے۔'' (اس کو ازرقی نے عطا سے مرفوع روایت کیا ہے۔)

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''رکنِ یمانی کے پاس ستر فرشتے مقرر ہیں جو شخص یہ دعا کرتا ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِی الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

''اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے ہمارے مالک! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔'' (ابن ماجہ:2957)

اور اس روایت سے مومنین کے دل میں رکنِ یمانی کا مقام اور بھی بڑھ جاتا ہے کہ جو شخص رکنِ یمانی پر ہاتھ رکھ کر دُعا کرتا ہے، اس کی دُعا قبول ہوتی ہے۔

ملتزم اور حطیم کا مقام

بیت اللہ کے دروازے اور حجرِ اسود کی درمیانی جگہ کو ملتزم کہتے ہیں۔ یہ بیت اللہ کا چونکہ حصہ ہے لہٰذا شرف و فضل اور قدس و جلال رکھتا ہے۔

كان يقول ﷺ مابين الركن والباب هنا[يدعى]الملتزم (شعب الايمان :4060)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:''ملتزم پر جو دعا کی جاتی ہے قبول ہوتی ہے''۔

یہ وہ مقدس مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کے لپٹنے کی جگہ ہے۔اس جگہ بیت اللہ کی دیوار کے ساتھ حجاج کرام اپنا سینہ چپکاتے اور ہاتھ رگڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع وخضوع اور عجز وانکسار کے ساتھ رو رو کر اس کی رضا اور جنت کا سوال کرتے اور ناراضی اور جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔

سبحان اللہ!اس جگہ رونا کتنا لذت آمیز ہے!اس مقام پر گڑگڑانا کیسا روح پرور ہے!اور یہاں آنسو بہانا کس قدر تسکین بخش ہے!سبحان اللہ!حجرِ اسود کو بوسہ دینے میں کیا مزہ اور یہاں آنسو بہانے میں کتنا لطف ہے!سبحان اللہ!وہ شخص کتنا خوش نصیب ہے جو اپنے ہونٹوں سے حجر کو چومتا،اپنے ہاتھوں سے اس کو چھوتا اور اپنے رخساروں پر آنسو بہاتا ہے۔سبحان اللہ!یہ حدیث کتنی تعجب خیز اور یہ اثر کس قدر خوش کن ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ : اسْتَقْبَلَ رَسُولُ اللہ ﷺ الْحَجَرَ . ثُمَّ وَضَعَ شَفَتَيْهِ عَلَيْهِ يَبْكِيْ طَوِيْلا . ثُمَّ الْتَفَتَ فَإِذَا هُوَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ يَبْكِيْ . فَقَالَ : يَا عُمَرُ ! هٰهُنَا تُسْكَبُ الْعَبَرَاتُ (ابن ماجة:2945)

عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے''رسول اللہ ﷺ حجر کی جانب متوجہ ہوئے اپنے لب ہائے مبارکہ کو اس پر رکھا اور کافی دیر تک روتے رہے،پیچھے مڑ کے دیکھا کہ عمر بن خطاب بھی رو رہے ہے۔فرمایا:عمر! یہاں آ کر آنسو بہاؤ۔''

حطیم ایک تکون نما نورانی فرش ہے،ایک بہت ہی عظیم قطعۂ ارضی۔یہ وہ جگہ ہے جس کو رکنِ یمانی،حجرِ اسود،بئرِ زمزم اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام جیسے پرنور مقامات کے درمیان گھیر دیا گیا ہے۔حطیم کے شرف وتقدس پر یہ حدیثِ مبارکہ دلالت کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال:زمین کا کون سا ٹکڑا سب سے بہتر ہے؟کہا:اللہ تعالی اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں تاہم آپ کی مراد شاید رکن ومقام کا درمیانی حصہ ہے؟فرمایا:ٹھیک ہے بلاشبہ رکن ومقام کا درمیانی حصہ،زمین کا بہترین،پاکیزہ ترین اور اللہ تعالی کا محبوب ترین حصہ

ہے۔ یہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ اس مقام پر جو شخص چار رکعت نماز ادا کرتا ہے، عرش کے راز داں فرشتے یہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ کے بندے! تیرے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں جا اب سے نیا عمل شروع کر! (رواہ الأزرقی عن الفاکھانی)

مقامِ ابراہیم علیہ السلام اور حجرِ اسماعیل علیہ السلام کا تقدس

مقامِ ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت کعبہ کی دیواریں جب بلند ہوگئیں اور اونچائی کے باعث ان پر تعمیراتی پتھر رکھنا ممکن نہ رہا تو ابراہیم علیہ السلام اس پر چڑھ گئے حتی کہ تعمیر کا کام جب مکمل ہو گیا تو کعبہ کے ایک جانب اس کو رکھ دیا گیا۔ بنائے کعبہ میں گویا اس پتھر کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جب حجرِ اسود کو احترام دیا جاتا ہے کہ وہ بیت اللہ کا اساسی پتھر ہے تو مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی تکریم ہونی چاہیے کہ یہ بیت اللہ کا افتتاحی پتھر ہے۔

مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے شرف کی بقا اور امتیاز کے تحفظ کے لئے اس پر ہمیں نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ جگہوں کا مقام ان میں ادا ہونے والی عبادت کے بقدر ہوتا ہے۔ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت اس پتھر نے خلیل اللہ علیہ السلام کی بہت خدمت انجام دی ہے۔ لہٰذا اب یہ اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ اس کے پیچھے نماز جیسی عظیم عبادت ادا کر کے اس کو احترام دیا جائے کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ اتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّی (البقرہ:125)

''اور مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔''

حقیقت یہ ہے کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو عظمت دے کر اسلام نے اس کی خدمت کا اعتراف کیا ہے جو اس بات کا ایک واضح اشارہ ہے کہ محسن، صادق اور صالح شخص کو دنیا میں اس کی خدمت کا صلہ دینا دینِ اسلام کا ایک بنیادی اُصول ہے۔

مقام کے شرف میں یہ چیز بھی اضافہ کرتی ہے کہ وہ خشیتِ الٰہی سے نرم ہو گیا اور ابراہیم علیہ السلام کے قدم اس میں پیوست ہو گئے جو ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کی صداقت کی نشانی اور اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کی واضح علامت تھی۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کی ہیبت وخشیت سے پتھر جیسی جامد چیز بھی نرم وملائم بن گئی اور ہمارا یہ دعویٰ انوکھا نہیں ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان مقام کے اس پتھر پر باقی ہیں بلکہ ابوطالب نے بہت پہلے اپنی شعری مجموعے لامیۃ میں کہا تھا:

’’پتھر کی چٹان پر ابراہیم علیہ السلام کے ننگے پاؤں اب بھی تازہ بہ تازہ ہیں۔‘‘

اس معجزہ کا انکار ممکن ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (البقرہ:74)

’’اور یقیناً پتھروں میں ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔ اور یقیناً ان میں سے بعض پھٹتے ہیں تو ان میں سے پانی نکل آتا ہے اور ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔‘‘

ارشادِ الٰہی ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (الحشر:21)

’’اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر بھی نازل کر دیتے تو تم اُسے اللہ تعالیٰ کے خوف سے دَبا ہوا، پھٹا ہوا دیکھتے۔‘‘

اور یہ بھی صحیح روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تلے اُحد نے حرکت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُثْبُتْ اُحُدُ ، فَاِنَّمَا عَلَيْکَ نَبِیٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ (بخاری:3675)

’’اے پہاڑ سکون کر! اس وقت تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں۔‘‘

یہاں ایک بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے ہمارا نماز ادا کرنا فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کی مانند ہے جو مقام و آدم کے شرف و تکریم کے لئے اطاعتِ الٰہی میں کیا گیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ان سے ہٹ کر کی جاتی ہے اور ہماری اس اطاعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان کے جلال و تعظیم اور شرف و تکریم میں اضافہ فرماتے ہیں۔

حجرِ اسماعیل علیہ السلام

حجرِ اسماعیل علیہ السلام کو کئی اعتبار سے فضیلت حاصل ہے: ایک یہ ہے کہ حجرِ اسماعیل بیت اللہ کے ساتھ ملا ہوا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ بیت اللہ کے قریباً سات گز اس میں شامل ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهَا : يَا عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا ! لَوْ لَا اَنَّ قَوْمَکِ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ لَاَمَرْتُ بِالْبَيْتِ فَهُدِمَ ، فَاَدْخَلْتُ فِيْهِ مَا اُخْرِجَ مِنْهُ ، وَاَلْزَقْتُهُ بِالْاَرْضِ ، وَجَعَلْتُ لَهُ بَابَيْنِ ، بَابًا شَرْقِيًّا وَبَابًا غَرْبِيًّا ، فَبَلَغْتُ بِهِ اَسَاسَ اِبْرَاهِيْمَ (بخاری:1586)

رسول اللہ ﷺ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: ''اگر تیری قوم شرک سے نئی نئی تائب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو گرا کر اس کا دروازہ زمین کے برابر کر دیتا اور اس میں مشرق اور مغرب سے دروازے بنا دیتا اور حجر کے سات گز بھی اس میں شامل کر دیتا جنہیں تعمیر کعبہ کے وقت قریش نے منہا کر دیا تھا۔''

حجرِ اسماعیل علیہ السلام کے بے شمار فضائل ومناقب ہیں جن میں سے ایک روایت یہ ہے:

''جو شخص میزاب کے نیچے کھڑا ہو کر دعا کرتا ہے، اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور حجر کے دروازے پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ جو شخص اس میں دو رکعت نماز ادا کرتا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے تیرے سابقہ تمام گناہ معاف ہو گئے ہیں''۔ (ازرقی نے عطا سے روایت کیا ہے۔)

یہ بات گزر چکی ہے کہ حجرِ اسماعیل علیہ السلام کے اندر طواف کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے اوپر سے طواف کرنا چاہیے کیونکہ اس میں سے سات گز بیت اللہ کا حصہ ہیں اور بیت اللہ کے اندر طواف کرنا صحیح نہیں ہے۔ بالکل ایسے ہی بیت اللہ کی مانند حجرِ اسماعیل علیہ السلام کے اندر بھی فرضی نماز ادا کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ بیت اللہ کے سات گز حجرِ اسماعیل علیہ السلام میں شامل ہیں۔ تاہم بیت اللہ اور حجرِ اسماعیل علیہ السلام کے اندر نفلی نماز ادا کرنا جائز ہی نہیں مستحب بھی ہے۔

آخری بات

مجھ جیسے غافل انسانو! تمہارے خیال میں پتھر کو تقدس اور مٹی کو شرف کیونکر ملا کہ رُوئے زمین سے عظیم الشان بن گئے؟ کیا تم جانتے ہو کہ انہیں یہ مقامِ رفیع اور شانِ عظیم کیسے حاصل ہوا؟ تم جواب دو گے کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کیونکہ تم غافل ہو لیکن تمہاری یہ غفلت اگر ختم ہو جائے تو تم جان جاؤ گے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے نسبت کی برکات ہیں کیونکہ یہ اس کا گھر ہے یا اس کا حرم ہے یا وہ مقام ہے جو اس کی خشیت سے نرم ہو گیا تھا یا وہ جگہ ہے جس میں اس کے نبی دفن ہیں۔

(حاشیہ: مشہور ہے کہ حجر میں اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ دفن ہیں۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم)

یا وہ صحن ہے جس میں اس کی اطاعت کا اظہار ہوتا ہے اور بس! اگر غفلت کے پردے اٹھ جائیں تو تمہیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ عبادتِ الٰہی، خشوعِ قلب، اطاعتِ ربّانی، طہارتِ نفس، اِخلاصِ نیت اور کمالِ توحید کی بنا پر تم مکہ سے زیادہ مقدس، کعبہ سے زیادہ محترم اور مقام سے زیادہ مکرم ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا مرتبہ حطیم، زمزم اور حجر سے کہیں زیادہ ہے۔ اس بارے میں تمہیں اگر کسی قسم کا شک ہے تو میرے ساتھ اس حدیثِ مبارکہ کا مطالعہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نظر رسول اللہ ﷺ الی الکعبۃ فقال: لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ، ما اَطْیَبَکِ رِیْحکِ، وَاَعْظَمَ حُرْمَتَکِ، والمُؤمِنُ اَعْظَمُ حُرْمَۃً مِنْکِ اِنَّ اللّٰہَ تعالیٰ جَعَلَکِ حَرَاما، وحَرَّمَ مِنَ المُؤمِنِ مَالَہُ ودَمَہُ وعِرْضَہُ واَنْ نَظُنَّ بِہِ ظَنّاً سَیِّئاً. (مجمع الزوائدللھیثمی:3/630حدیث:5736,المعجم الکبیر للطبرانی:11/37)

''رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کو دیکھا اور گویا ہوئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے کعبہ! تو کس قدر خوب صورت ہے! تیری فضا کتنی خوش گزار ہے! تیری حرمت کتنی عظیم ہے! مگر ایک مومن کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف تجھے حرمت عطا کی ہے لیکن اس نے ایک مومن کے مال کو، اس کے خون، کو اس کی عزت کو اور اس سے بدظنی کو حرام قرار دیا ہے۔''

مسجدِ حرام کا مقام اور آبِ زمزم کی فضیلت

مسجدِ حرام کی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ مسجدِ حرام عظمت کا وہ دائرہ ہے جس نے بیت اللہ کو گھیر رکھا ہے اور عزت کا وہ احاطہ ہے جس کے درمیان میں کعبۃ اللہ واقع ہے۔ یہ وہ آسمان ہے جس پر کمالات گردش کرتے ہیں اور وہ زمین ہے جس پر برکات کا نزول ہوتا ہے۔

مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب کسی اور جگہ کی ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔ اس سے مسجدِ حرام کی اہمیت دوچند بلکہ صد چند ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے: مسجدِ حرام تین جلیل القدر اور عظیم الشان مساجد میں سے ایک ہے۔ اسی کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰہُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاکِفُ فِیْہِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْہِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْہُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔(الحج:25)

''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے سے اور مسجدِ حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے تمام لوگوں کے لیے بنایا ہے۔ جس میں مقامی باشندے اور باہر سے آنے والے برابر ہیں۔ اور جو شخص سیدھے راستے سے ہٹ کر اس میں ظلم کرنے کا ارادہ کرے گا تو ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔''

(حاشیہ: یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ مسجدِ حرام سے تمام حدودِ حرم مراد ہے یا وہ مسجد مراد ہے جس میں نمازِ باجماعت ادا کی جاتی ہے اور جس میں جنبی کا جانا ممنوع ہے؟ ہر مؤقف کے دلائل موجود ہیں مگر راجح مؤقف یہی ہے کہ مسجدِ حرام سے حدودِ حرم کی سرزمینِ مکہ کے برعکس وہ مسجد مراد ہے جس میں نمازِ باجماعت ادا ہوتی ہے اور جس نے کعبہ کو گھیر رکھا ہے۔ واللہ اعلم)

قرآن کریم کی یہ آیت مقدمہ بیت اللہ کی حرمت و تقدس کو بیان کر رہی ہے۔ اسے خوف زدگان کی جائے قرار اور مومنین و مسلمین کا مشترکہ گھر بتا رہی ہے۔

جہاں تک زمزم کی بات ہے یہ ایک نشانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کر رہی ہے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کے اِکرام میں زمین پر جبریل علیہ السلام کی ایڑی کی ٹھوکر سے یہ جاری ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے اب تک رہنے، سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور بیت اللہ کے دیگر آباد کاروں، طواف کرنے والوں اور اعتکاف بیٹھنے والوں کے یہاں سے پانی پینے ہی سے اس کا شرف ظاہر ہو جاتا ہے مگر اس کی فضیلت پر اس سے زیادہ اور کوئی شے دلالت نہیں کرتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کو غسل دینے کے لیے اسی کا پانی منتخب کیا گیا تھا۔ آبِ زم زم سے قلبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ قلبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کے لیے اگر روئے زمین پر اس سے زیادہ اطہر و اطیب پانی ہوتا (قلب کو لازماً اسی سے غسل دیا جاتا) تاکہ مطلوبہ صفائی خاص ہو جائے مگر اس کے لئے زمزم کو اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس پانی میں اَرواح کی تقویت اور قلوب کی تطہیر کا خاصہ پایا جاتا ہے چنانچہ اس خاص قسم کے غسل اور خاص قسم کی نظافت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مقدس کو ملکوتِ اعلیٰ کے اِتصال اور انوارِ الٰہی کے مشاہدہ کے لیے تیار کیا گیا جس سے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آسمانی سفر میں عجیب و غریب قسم کی مخلوقات کا مشاہدہ کیا حالانکہ عالمِ روحانی کے علاوہ انہیں دیکھنے کی طاقت کسی میں نہیں پائی جاتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ (النجم:13.18)

''اور اُس نے دوسری مرتبہ اُسے دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ جس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ جب کہ سدرہ پر چھا رہا تھا جو کہ چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ چندھیائی اور نہ حد سے بڑھی۔ اُس نے اپنے ربّ کی کچھ بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔''

آخر رسول اللہ ﷺ کی روحانی اور قلبی قوت کا سبب کیا؟ کیا آبِ زمزم کا غسل نہیں ہے؟ کیوں نہیں؟ بالکل ایسا ہی ہے۔ پس زمزم کا پانی تزکیۂ نفس اور تطہیرِ روح کے لئے اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے۔ زمزم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بالکل بجا فرمایا ہے:

قال رسول ﷺ :ماء زمزم لماشرب له فان شربته تستشفی به شفاک . (مستدرک حاکم:473/1حدیث:1739)

''زمزم جس مرض کیلئے پیا جائے، اسی کا علاج ہے۔

زمزم فیه طعام من الطعم وشفا من السقم (سلسله احادیث صحیحه :1056،طبرانی:112/3)

ارشادِ پاک ہے:''زم زم بیماری کی شفا بھوک کا کھانا ہے۔''

آبِ زمزم اگر شفا پانے کیلئے نوش کریں گے اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے گا، پیاس بجھانے کے لیے نوش کریں گے اللہ تعالیٰ پیاس بجھا دے گا، بھوک مٹانے کے لئے نوش کریں گے اللہ تعالیٰ آپ کی بھوک مٹا دے گا۔ اللہ تعالیٰ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما پر راضی ہوں، زمزم پیتے وقت وہ یہ دُعا کیا کرتے تھے:

اللھم اسألک نافعاً ورزقاًو اسعاًو شفاء من کل داء (مستدرک حاکم:473/1حدیث:1739)

''یا اللہ میں تجھ سے فائدہ بخش علم کشادہ رزق اور بیماری کی شفا مانگتا ہوں۔''

کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمانِ گرامی پر ان کا ایمان تھا کہ جس مقصد کے لئے بھی زمزم پیا جائے وہ پورا ہوتا ہے۔

طواف کعبہ؛ دوسرا رکن

حج یا عمرے کا دوسرا رکن طوافِ کعبہ ہے۔حج میں تین قسم کا طواف کیا جاتا ہے:

پہلا طواف قدوم کہلاتا ہے جو مالکیہ کے نزدیک واجب ہے اور باقی ائمہ کے خیال میں سنت ہے۔

دوسرا طواف افاضہ کہلاتا ہے اس کو طوافِ زیارت بھی کہا جاتا ہے۔طوافِ افاضہ حج کا رکن ہے،اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور یہ طواف اگر نہ کیا جائے تو حج باطل ہو جاتا ہے۔طواف افاضہ چونکہ عرفات ومزدلفہ سے واپسی پر کیا جاتا ہے لہٰذا اس کو افاضہ کہتے ہیں۔

تیسرا طواف وداع کہلاتا ہے جو مالکیہ کے نزدیک سنت ہے جبکہ علمائے جمہور اس کو واجب کہتے ہیں مگر جو کسی عذر کی بنا پر اس کو چھوڑ دیتا ہے اس پر دَم واجب نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حائضہ عورت کو طوافِ وداع کے بنا ہی مکہ سے کوچ کرنے کی رخصت دے دی تھی مگر اس کو جانور ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا تھا کیونکہ اس کو ایک ایسا عارضہ لاحق ہو گیا جس میں وہ طواف وداع نہیں کر سکتی تھی۔

عمرہ میں دو قسم کا طواف کیا جاتا ہے: پہلا طواف قدوم ہے جو عمرے کا ایک رکن ہے اور دوسرا طواف وداع ہے جو سنت ہے واجب نہیں ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ عمرے میں ایک ہی طواف کیا جاتا ہے جس کا نام طوافِ قدوم ہے اور یہ عمرے کا رکن ہے عمرے میں طواف وداع ثابت نہیں ہے۔

طوافِ کعبہ کی چند شرائط سنن اور بعض آداب ہیں جن کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ہم آپ کے سامنے ایک ایک کر کے ان کی تفصیل بیان کر رہے ہیں۔طوافِ کعبہ کی شرائط درج ذیل ہیں:

شرائطِ طواف

(1) شروع کرنے سے قبل طواف کی نیت کرنا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (بخاری:1)

''تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

(2) ہر قسم کی خباثت ونجاست سے پاکی حاصل کرنا اور شرم گاہ کا چھپانا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلطَّوَافُ حَوْلَ الْبَیْتِ مِثْلُ الصَّلٰوۃِ اِلَّا اَنَّکُمْ تَتَکَلَّمُوْنَ فِیْهِ فَمَنْ تَکَلَّمَ فِیْهِ فَلَا یَتَکَلَّمُ اِلَّا بِخَیْرٍ (ترمذی:960)

''بیت اللہ کا طواف کرنا نماز پڑھنے کی مانند ہے مگر اس میں تم باتیں کر سکتے ہو اور جو کوئی بات کرنا چاہتا ہو اسے خیر کی بات ہی کرنی چاہیے۔''

لہٰذا جو شخص بلا وضو طواف کرتا ہے یا اپنی شرم گاہ کو نہیں ڈھانپتا ہے، دوبارہ طواف کرنا اس پر واجب ہے۔

(3) بیت اللہ کے ارد گرد اور مسجدِ حرام کے اندر رہ کر طواف کرنا۔لہٰذا جو شخص مسجدِ حرام کے باہر سے طواف کرتا ہے یا بیت اللہ کے اندر طواف کرتا ہے یا بیت اللہ کے کسی حصے میں طواف کرتا ہے مثلاً شاذروان یا حجر کے اندر طواف کرنا صحیح نہیں ہے۔البتہ ہجوم جیسی ضرورت کے وقت بیت اللہ کے دور سے طواف کیا جا سکتا ہے مگر وہ جگہ مسجدِ حرام کے اندر ہی ہونی چاہیے مثلاً زمزم کے قبہ اور اس کے آس پاس سے بیت اللہ کا طواف کرنا صحیح ہوگا۔

(4) طواف کرتے وقت بیت اللہ کا بائیں جانب ہونا۔لہٰذا بیت اللہ اگر دائیں جانب ہوگا تو یہ طواف درست نہیں ہے کیونکہ فعلِ رسول ﷺ کے برعکس ہے اور آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''حج کا طریقہ مجھ سے سیکھو''۔

(5) طواف میں سات چکر لگانا، حجرِ اسود سے چکر شروع کرنا اور حجرِ اسود پر ہی چکر مکمل کرنا۔لہٰذا اگر وہ سات سے کم چکر لگاتا ہے یا حجرِ اسود کے علاوہ کہیں سے ابتدا کرتا ہے یا حجرِ اسود سے پہلے ہی چکر ختم کر دیتا ہے تو نہ اس کا یہ طواف، طواف شمار کیا جائے گا اور نہ ہی یہ چکر، مکمل چکر خیال کیا جائے گا بلکہ اس کے عوض میں وہ دوبارہ طواف کرے گا یا دوبارہ چکر لگائے گا۔

(6) ساتوں چکر پے در پے لگانا۔لہٰذا بلا عذر چکروں میں اگر تسلسل ٹوٹ جاتا ہے تو اس کا یہ طواف باطل ہو جائے گا چنانچہ اسے دوبارہ سے طواف کرنا چاہیے لیکن عذر کی بنا پر تسلسل میں اگر معمولی سا وقفہ آ جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔مثلاً دورانِ طواف وضو ٹوٹ جانے پر دوبارہ وضو کرنا تسلسل پر اثر انداز نہیں ہوتا ہے۔

طواف کی سنن

طواف کی سنتیں درج ذیل ہیں:

(1) رَمل کرنا۔ یہ باہمت مردوں کے لئے سنت ہے۔ عورتوں، مریضوں اور ضعیفوں کے لئے نہیں۔ علاوہ ازیں رَمل کی یہ سنت طواف قدوم کے ساتھ خاص ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تین چکروں میں چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ تیز رفتاری سے چلا جائے گا اور باقی چار چکروں میں رَمل نہیں ہے لہٰذا ان میں معمولی رفتار سے آرام کے ساتھ چلا جاتا ہے۔

(2) اِضطباع کرنا۔ اضطباع کا مطلب ہے اپنا دایاں کندھا ننگا رکھنا۔ یہ بھی طوافِ قدوم کے ساتھ خاص ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر پھینک دیا جائے گا۔ طواف کے تمام چکروں میں کندھا ننگا رکھا جاتا ہے۔ رَمل اور اضطباع کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا وہ فعل ہے جو اجماع وتواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔

(حاشیہ: دایاں کندھا طواف کے وقت ننگا کیا جاتا ہے۔ یہی سنت ہے احرام باندھتے ہی اپنا کندھا ننگا کرنا جیسا کہ عوام کرتے ہیں صحیح نہیں ہے۔)

(3) طواف کا آغاز کرتے وقت حجرِ اسود کو بوسہ دینا۔ بوسہ دینا اگر ممکن نہ ہو تو اس کو ہاتھ سے چھونا اور اگر یہ بھی ناممکن ہو تو اس کی جانب اشارہ کر دینا ہی کافی ہے۔

(4) حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے بعد پہلا چکر شروع کرتے وقت یہ دعا کرنا:

بِسْمِ اللهِ وَاللهُ اَكْبَر اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا م بِكَ وَتَصْدِيْقًا م بِكِتَابِكَ وَوَفَآءِ بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِّسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ .

”یا اللہ! تو بہت بڑا ہے۔ تجھ پر ایمان لاتے ہوئے، تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے، تیرے عہد کی وفا کرتے ہوئے، تیرے نبی محمد ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے، تیرے ہی نام کے ساتھ میں اپنے طواف کا آغاز کر رہا ہوں۔“ (طبرانی نے روایت کیا اس کی سند صحیح ہے جو ابن عمر پر موقوف ہے۔)

(5) طواف کے دوران میں دُعائیں کرنا۔ یہ دُعائیں لامحدود اور غیر متعین ہیں تاہم رسول اللہ ﷺ طواف میں چکر

مکمل ہونے پر یہ دعا پڑھتے تھے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّفِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار

''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں خیر و بھلائی عنایت فرما اور آخرت میں بھی خیر و بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔'' (ابوداؤد نے صحیح سند سے روایت کیا ہے:1892)

(6) ممکن ہو تو ہر چکر میں رکنِ یمانی کو چھونا اور حجرِ اسود کو بوسہ دینا۔

(7) طواف سے فارغ ہو کر صحنِ مسجد میں دعا کرنا۔

(8) مقامِ ابراہیم کے پیچھے طواف کی دو رکعتیں ادا کرنا جن میں سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھی جائے گی۔

(حاشیہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے کہ بعد از طواف دو رکعت نماز ادا کرنا واجب ہے۔ مالکیہ کے نزدیک طوافِ واجب (طوافِ قدوم) اور طوافِ رکن (طوافِ افاضہ) کے بعد دو رکعتیں واجب ہیں اور طوافِ وداع میں دو رکعتیں سنت ہیں۔ ان رکعات کی مشروعیت اللہ تعالیٰ کے فرمان ''واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى'' سے ثابت ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی اس دو رکعت نماز کی مشروعیت ثابت کرتا ہے۔

(9) دو رکعت نماز کے بعد زمزم کا پانی خوب سیر ہو کر پینا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زمزم پیا تھا۔

(10) سعی کو جانے سے قبل حجرِ اسود کو دوبارہ بوسہ دینا۔

طواف کے آداب

طواف کے آداب درج ذیل ہیں:

(1) مکمل خشوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خوف اور عظمت کو دل میں بٹھا کر طواف کرنا۔

(2) بلا ضرورت گفتگو سے اجتناب کرنا۔

(3) دھکم پیل میں کسی کو تکلیف نہ دینا۔

(4) طواف کے دوران میں دُعا، تلاوت، ذکر اور درود کا کثرت سے اہتمام کرنا۔

(5) عورتوں اور ہر اس چیز سے نگاہ نیچی رکھنا جو ذکر یا خشوع میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔

طواف کی چند ماثور دُعائیں

ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حج میں دُعا کرنا ایک سنت ہے جس کو چھوڑ دینے سے حج باطل ہوتا ہے، نہ ہی اس پر کوئی دَم یا صدقہ یا روزہ واجب ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طواف میں کسی خاص دعا کی تلقین بھی نہیں فرمائی لہٰذا ایک شخص حج میں اپنی پسندیدہ کوئی سی دعا بھی مانگ سکتا ہے اور اپنے رب سے کسی چیز کا بھی سوال کرسکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''تم میں سے ہر شخص اپنی پسند کی دعا منتخب کر کے اس کے ذریعے سے سوال کرسکتا ہے۔'' (بخاری:835)

اس لحاظ سے اسلافِ امت کی بعض دُعائیں ذکر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے تا کہ کوئی شخص انہیں یاد کر کے اپنی دُعا میں اضافہ کرسکتا ہے۔ اسلافِ امت کی پسندیدہ دُعائیں درج ذیل ہیں:

اللّٰھم اجعله حجاً مبروراً وسعیاً مشکوراً وذنباً مغفوراً ، رب اغفر وارحم واھدنی السبیل الاقوم وتجاوز عما تعلم وانت الاعز الاکرم

''یااللہ! میرا حج قبول کر، میری محنت ثمر بار فرما، میرے گناہ معاف کر، میرے رب! معاف فرما رحم کر، مجھے سیدھی راہ دکھا، جن (پوشیدہ معاصی) کو تو جانتا ہے ان سے درگزر فرما۔ بلاشبہ تو بہت زیادہ عزت والا، سب سے زیادہ کرم والا ہے۔''

چکر کے دوران میں یہ دُعا پڑھی جائے اور چکر کے آخر میں

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار

''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں خیر و بھلائی عنایت فرما اور آخرت میں بھی خیر و بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔''

پڑھی جائے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ یہی پڑھتے تھے۔

صحنِ مسجد میں طواف کے بعد یہ دُعا مانگی جائے گی:

اللّٰھم ان ھذا مقام العائذ بک من النار فاعذنی من نارک وقنی عذابک

''یااللہ! تو بیتِ عتیق کا مالک ہے۔ میری گردن کو آگ سے آزاد فرما۔ یااللہ! اس مقام پر میں آگ سے

تیری پناہ مانگتا ہوں، مجھے اپنی آگ سے بچا اور اپنے عذاب سے محفوظ رکھ۔'' (آمین)

دو رکعت نمازِ طواف کے بعد یہ دُعا پڑھی جائے گی:

اللّٰھم یسرنی للیسریٰ وجنبنی العسری واغفرلی فی الاولیٰ والاخریٰ

''یااللہ! آسانیاں مجھ پر آسان کر، مشکلیں مجھ سے دور رکھ اور دنیا و آخرت میں مجھے بخش دے۔''

طواف کا طریقہ

طواف کا طریقہ یہ ہے کہ مسجدِ حرام میں حاجی باوضو ہو کر داخل ہوگا اور اگر طوافِ قدوم کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنا دایاں کندھا ننگا کرے گا۔ اس کے بعد وہ حجرِ اسود کے پاس آئے گا، اس کو بوسہ دے گا یا اس کو ہاتھ سے مَس کرے گا یا کسی چیز سے اس کی جانب اشارہ کرے گا

- تنبیہ: استلام کا مطلب ہے کہ حجرِ اسود کو کسی چیز سے چھوکر اس چیز کو بوسہ دینا۔ مسلم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو طواف میں دیکھا کہ آپ رکنِ یمانی کو لاٹھی سے چھوتے اور اس کو بوسہ دیتے تھے۔)

اور حجر کے بالکل سامنے کھڑا ہو کر طواف کی نیت سے یہ دُعا کرے گا:

بسم اللہ واللہ اکبر اللّٰھم ایماناً بک وتصدیقاً بکتابک ووفاء بعھدک واتباعاً لسنة نبیک محمد ﷺ (احیاء علوم الدین: 342/1، مجمع الزوائد: 240/3 حدیث: 5470، مجمع البحرین فی زوائدالمعجمین: حدیث: 1714 اسنادہ ضعیف)

''یااللہ! تو سب سے بڑا ہے۔ تجھ پر ایمان لاتے ہوئے، تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے، تیرے وعدے کو پورا کرتے ہوئے، تیرے نبی محمد ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے میں تیرے نام کے ساتھ طواف کی ابتدا کر رہا ہوں۔''

اس کے بعد بیت اللہ اس کے بائیں جانب ہوگا اور وہ تیز ڈگ بھرتے طواف کا آغاز کردے گا۔ چکر کے دوران دُعا، تلاوت، ذکر اور درود میں مصروف رہے گا حتی کہ جب رکنِ یمانی کے پاس پہنچ جائے گا تو اپنے ہاتھ سے اس کو چھوئے گا۔ **رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ** کی دُعا کے ساتھ اپنا چکر ختم کرے گا۔ اس

کے بعد دوسرا اور تیسرا چکر بھی اسی انداز میں سبک رفتاری سے مکمل کرے گا۔البتہ چوتھے چکر کو شروع کرتے وقت رَمل ترک کر کے معمول کی رفتار شروع کردے گا اور باقی ماندہ چاروں چکر اسی انداز سے آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر مکمل کرے گا۔طواف سے فارغ ہوکر رکنِ یمانی اور بابِ کعبہ کے درمیان میں انتہائی خشوع کے ساتھ رو رو کر دُعا کرے گا اور دعا کے بعد مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرے گا۔پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الکفرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھے گا۔

(حاشیہ: مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز ادا کرنا مستحب ہے۔ہجوم میں مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھی نہ جا سکے تو مسجدِ حرام میں کسی جگہ پر بھی اس کو ادا کیا جا سکتا ہے۔)

نماز پڑھ کر وہ زمزم کے پاس آئے گا اور کعبہ کو منہ کر کے خوب سیر ہو کر پانی نوش کرے گا۔

فَنَاوَلُوهُ دَلْوًا فَشَرِبَ مِنْهُ (مسلم:2950)

''لوگوں نے آپ کو ایک ڈول پانی (زمزم) کا دیا اور آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ پیا۔''

اس وقت جو دل چاہتا ہے، دُعائیں مانگ سکتا ہے، تاہم سلف سے منقول کوئی دُعا کرنا بہتر ہے اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما یہ دُعا کرتے تھے:

اللّٰهم انی اسئلک علماً نافعاً ورزقاً واسعاً وشفاء من کل داء (مستدرک حاکم:473/1، حدیث:1739)

''یا اللہ! میں تجھ سے فائدہ بخش علم، وافر رزق اور ہر بیماری سے شفا کا سوال کرتا ہوں۔''

اس کے بعد حجرِ اسود کے پاس آ کر اس کو بوسہ دے گا یا چھوئے گا۔یہاں اس کا طواف مکمل ہو جاتا ہے جو سنتِ رسول ﷺ کے عین مطابق ادا کیا گیا ہے لہٰذا امید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں طواف اور حج کو شرفِ قبول سے نوازا جائے گا۔

(حاشیہ: یہ اختلافی مسئلہ ہے کہ جو شخص کسی ضعیف آدمی کو اٹھا کر طواف کرتا ہے کیا اس کو اپنا طواف دوبارہ کرنے کی ضرورت ہے یا ایک ہی طواف دونوں کو کافی ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ دونوں نے اگر اپنے اپنے طواف کی نیت کی ہے تو دونوں کو ایک طواف ہی کافی ہے لیکن دیگر علماء کی رائے میں نیت کے باوجود اٹھانے والا اپنا طواف دوبارہ کرے گا کیونکہ اس کی نیت ضعیف کا شمار ہوگی۔ہمارے موجودہ زمانے میں ہجوم بہت زیادہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے طواف ایک مشکل ترین عمل بن کر رہ گیا

ہے۔لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے مومنوں کی آسانی کے لیے زیادہ بہتر ہے۔علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ سے اس کی ممانعت بھی منقول نہیں ہے۔)

اب اگر وہ سعی کرنے کا بھی ارادہ رکھتا ہے تو باب صفا سے یہ آیتِ کریمہ تلاوت کرتا نکل کھڑا ہوگا کیونکہ سعی کے وقت اس کا تلاوت کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۗ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ (البقرہ:158)

''یقیناً صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پھر جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے۔''

اِضطباع اور رَمل کی حکمت

اِضطباع اور رَمل کی حکمت معلوم کرنے کے لئے اس نکتے پر غور کرنا چاہیے کہ اس کا حکم کس وجہ سے دیا گیا ہے؟ اس کا پس منظر ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

''رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ میں عمرہ کے لیے حاضر ہوئے تو مشرکینِ مکہ نے کہا: تمہارے پاس وہ لوگ آئے ہیں جنہیں مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ پہلے تین چکروں میں رَمل کریں لیکن حجرِ اَسود اور رکنِ یمانی کے درمیان آہستہ چلیں۔'' (مسلم:3059)

آپ ﷺ نے ان پر شفقت فرما کر تمام چکروں میں رَمل کا حکم نہیں دیا۔ ایک روایت کے الفاظ میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم انہیں اپنی قوت دکھاؤ۔'' (مسلم:3060)

گویا رَمل کا سبب ہے دشمن کے سامنے اپنی قوت و طاقت کا اظہار کرنا۔ چنانچہ رَمل کی حکمت یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اس بات کا شعور دلایا جائے کہ اسے ہمیشہ کے لیے طاقتور رہنا چاہیے اور دشمن کے سامنے کسی حال میں بھی کمزوری دکھانا اسے زیب نہیں دیتا بلکہ اسے برابر طاقت حاصل کرتے رہنا چاہیے جس سے دشمن کو خوف زدہ رکھا جاسکے تاکہ وہ ہر زمان و مکان میں ہمیشہ کے لیے اس کی تعظیم و تکریم کرتا رہے۔

اِضطباع میں کندھے کو ننگا رکھا جاتا ہے تا کہ حرکت کرنے اور تیز چلنے میں جوش ونشاط قائم رہے۔ لہٰذا اضطباع میں حکمت یہ ہے کہ جس مسلمان نے حق وعدل کا جھنڈا تمام انسانیت کے سامنے بلند کر رکھا ہے، وہ اس حقیقت سے آگاہی حاصل کر سکے کہ زندگی میں ہر وقت جہاد کے لیے اس کو تیار رہنا چاہیے۔ یہ تیاری اسے ہر میدانِ جنگ میں فتح ونصرت سے ہم کنار کرے گی۔ چنانچہ جنگ ہو یا امن، اسے وہ لباس پہننا چاہیے جو حرکت وعمل میں مدد دیتا ہو، ایسے ہتھیار سے لیس ہونا چاہیے جو کاری ضرب رکھتا ہو اور وہ تیاری کرنی چاہیے جو قوت وطاقت فراہم کرتی ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ انگریزی ٹوپی اوڑھ سکتا ہے جو کافروں کا شعار ہے یا ایسا لباس پہن سکتا ہے جو شرم گاہ نہیں چھپاتا ہے یا ایسی شکل اختیار کر سکتا ہے جو کفار سے مشابہت رکھتی ہے بلکہ اسے ایک خاص قسم کا لباس تیار کرانا چاہیے جس سے حرکت میں آسانی اور چال میں سرعت پیدا ہو اور جو اپنی خاص شکل میں اس کے ذاتی تشخص کی حفاظت کا ضامن ہو تا کہ مسلمان کہیں اَغیار ہی میں گم ہو کر نہ رہ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے بیٹوں پر دشمن کی مشابہت کو حرام قرار دیا اور ان کی مخالفت کو فرض کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنۡ تَشَبَّهَ بِقَوۡمٍ فَهُوَ مِنۡهُمۡ (ابوداؤد، کتاب اللباس باب فی لبس الشهرة:4031)

''جس نے کسی (دوسری) قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔''

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

خَالِفُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ .(بخاری:5892)

''مشرکوں کی مخالفت کیا کرو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ مسلمان اپنے اسلامی تشخص پر قائم رہیں اور غیروں میں گم ہو کر نہ رہ جائیں کہ حق اپنے انصار کو ڈھونڈتا اور خیر اپنے اعوان کو تلاشتی رہے گویا اس میں مسلم شخصیت کی حفاظت کا فلسفہ پایا جاتا ہے اور اِضطباع و رَمل کی حکمت بھی یہی ہے لیکن کیا آج کے مسلمان ان اسرار ورموز سے فائدہ اٹھا رہے ہیں؟ یا ان کے پاس عبادات کے خصائص کے علاوہ صرف ان کی شکلیں ہی باقی رہ گئی ہیں؟ بلکہ انہوں نے عبادات کو ان کی حقیقی شکلوں سے بھی جدا کر کے رکھ دیا ہے جن کے ساتھ وہ ادا کی جاتی تھیں (لاحول ولاقوۃ الا باللہ)۔

بوسۂ حجر کی حکمت

بعض علماء کہتے ہیں کہ حجرِ اسود جنت کا پتھر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ طواف کی جائے ابتدا ہے جس کو جنابِ ابراہیم علیہ السلام نے نصب کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے اور جو شخص اس کو چھوتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتا ہے اور اس کی تاکید و تحقیق کے لیے اپنا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ لہٰذا یہ تمام خصوصیات حجرِ اسود کو بوسہ دینے یا اس کو چھونے کا تقاضا کرتی ہیں۔ ان تمام اقوال کو اگرچہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں، تاہم غرض یہ ہے کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینے کی حکمتیں یہیں پر ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ اس میں سب سے بڑی حکمت ایک اور ہے جو قولِ عمر رضی اللہ عنہ میں غور کرنے سے ظاہر ہوتی ہے:

اِنِّی اَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ وَاَنَّکَ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْ لَا اَنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَبَّلَکَ مَا قَبَّلْتُکَ (مسلم:3069)

''میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے۔ نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تجھے بوسہ دینا میں نے اگر نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا۔''

اسی ایک صراحت سے تقبیلِ حجر کی اصل حکمت واضح ہو جاتی ہے۔ گویا ایک مؤحد مسلمان پر یہ حقیقت آشکار ہونی چاہیے کہ ہر قسم کی عبادت میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ جس عبادت پر یا عبادت کی جس صورت پر اللہ تعالیٰ کا حکم اگر نہیں ہے تو عبادت گزار کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو پائے گا کیونکہ ایسی عبادت میں روح ہی نہیں ہوتی اور عبادت کی روح دراصل اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جس سے عبادت میں تزکیۂ نفس کی تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر کام کی بجا آوری میں اصل بات حکمِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ حجرِ اسود بھی پتھروں میں سے ایک پتھر ہے جو کسی کو نفع دے سکتا ہے نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے لیکن جونہی اس کو چومنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی جناب سے آیا، بندۂ مومن نے اس کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا ہے کیونکہ اس کا گرویدہ ہونا دراصل حبِ الٰہی کا ذریعہ اور رضائے ربّانی کا وسیلہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عبادت میں عمومی حکمت بندۂ مومن کی آزمائش کرنا ہے کہ وہ اپنے ربّ پر ایمان میں کتنا سچا ہے؟ اور اس کے احکام پر عمل کرنے میں کس حد تک تیار رہتا ہے؟ خواہ حجرِ اسود جیسے پتھر کو چومنے سے متعلق ہی وہ حکم کیوں نہ ہو کہ جو نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔

طوافِ کعبہ میں حکمت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ اس کو عالمِ علوی کے فرشتوں اور عالمِ سفلی کے حیوانوں کی درمیانی صفات پر پیدا کیا ہے۔ انسان اپنے جسم کے لحاظ سے مادی دنیا سے منسلک ہے اور اپنی روح کے اعتبار سے روحانی دنیا سے متعلق ہے۔ چنانچہ جب اس کا روحانی پہلو جسمانی پہلو پر غالب آتا ہے تو ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ اس کا تعلق مضبوط ہو جاتا ہے اور مادی دنیا میں زندگی گزارنے کے باوجود وہ روحانی دنیا سے قریب ہو جاتا ہے مگر جب اس کا جسمانی پہلو غالب آ جاتا ہے تو وہ روحانیت کی بجائے حیوانیت کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور روحانی دنیا سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ جسم و روح میں توازن قائم کرنے کے لیے جب وہ ہر ایک پہلو پر اس کے حصے کی توجہ دیتا ہے تو اس کی اصلی انسانیت مکمل ہوتی اور حقیقی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ تب کہیں جا کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو ایک معزز مخلوق شمار کیا جاتا ہے جو عالمِ مادی اور عالمِ روحانی کا نقطۂ اعتدال ہے اور بہترین کام درمیانہ ہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان ایک معزز ترین مخلوق ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے انسان کے لیے ایسی عبادتیں مقرر کر دی ہیں جو روحِ انسانی کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتی ہیں اور اس انداز میں روحانیت کی نشوونما کرتی ہیں کہ انسان دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ مند ہو جاتا ہے مثلاً نماز، ذکر، تسبیح، اعتکاف اور طواف وغیرہ وہ عبادتیں ہیں جو فرشتے بھی عالمِ روحانی میں بجالاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

> ''ساتویں آسمان پر بیتِ معمور ہے جس میں روزانہ سات ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آئے گی۔'' (مسلم:416)

آسمان پر فرشتوں کے لیے بیت المعمور ہے جس کی زیارت اور طواف سے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور زمین پر انسانوں کے لیے بیت الحرام ہے جس کی زیارت اور طواف سے انسان اللہ تعالیٰ کا قرب پاتے ہیں۔ یہاں سے بیت اللہ کے طواف کی حکمت ظاہر ہوتی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے معزز ترین مخلوق ہیں اور اس نے ہمارے لئے وہ خالص روحانی عبادت مقرر کی ہے جس کو فرشتوں جیسی روحانی مخلوق بھی بجالاتی ہے کہ وہ آسمان پر بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اور ہم زمین پر بیت العتیق کا طواف کرتے ہیں۔

صفااورمروہ کے درمیان سعی؛حج وعمرہ کا تیسرا رکن

جمہور کے نزدیک حج وعمرہ کا تیسرا رکن صفاومروہ کی سعی ہے مگراحناف سعی کو حج کا واجب کہتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اسْعَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ عَلَیْکُمُ السَّعْیَ (احمد:6/422،حدیث:27911)

’’تم پرسعی کرنا فرض کردیا گیا ہے لہٰذا تم سعی کیا کرو۔‘‘

ارشادِ ربّانی ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ (البقرہ:158)

’’یقیناً صفااورمروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔‘‘

سعی کی چند شرائط،بعض سنن اور کچھ آداب ہیں جن کی پہچان ضروری ہے۔لہٰذا ہر ایک کا بیان حسب ذیل ہے:

سعی کی شرائط

سعی کی شرائط درج ذیل ہیں:

(1) سعی اور طواف میں ترتیب کا خیال رکھنا یعنی طواف کے بعد سعی کرنا ورنہ سعی دوبارہ کی جائے گی۔

(حاشیہ:موجودہ زمانے میں رش کی وجہ سے حالات بہت مشکل ہیں لہٰذا ایسے میں کوئی شخص اگر بھول جاتا ہے یا لاعلمی میں طواف سے پہلے سعی کر بیٹھتا ہے،اس کو سعی کا دوبارہ حکم نہ دینا ہی بہتر ہے کیونکہ ایک شخص سے بلاارادہ ان میں تقدیم وتاخیر ہوگئی تو آپ ﷺ فرمایا:کوئی بات نہیں ہے مگر جو شخص ارادتاً ایسا کرتا ہے اس پر دوبارہ سعی کرنا واجب ہے۔)

(2) پے درپے چکر لگانا البتہ ضرورت کے وقت تھوڑا سا وقفہ نقصان دہ نہیں ہے مثلاً پیشاب کرنا۔

(3) سات چکروں کی تعداد مکمل کرنا۔ اگر چکر مکمل نہ ہوئے یا کسی چکر میں ہاتھ برابر بھی کمی رہ گئی تو سعی کفایت نہیں کرے گی۔

(4) طواف خواہ واجب ہو یا سنت، اس کے بعد سعی کرنا لیکن طوافِ واجب (طوافِ قدوم) یا طوافِ رکن (طوافِ زیارت) کے بعد سعی کرنا بہتر ہے۔

سعی کی سنن

سعی کی سنتیں درج ذیل ہیں:

(1) سبز نشانات کے درمیان تیز قدم چلنا، عورت اور عاجز کے سوا باہمت شخص کے لیے سنت ہے۔

(2) صفا اور مروہ پر تکبیر، تہلیل اور دُعا کے لیے کھڑا ہونا۔

(حاشیہ: صفا اور مروہ مسجدِ حرام کے اردگرد مکہ میں دو پہاڑ ہیں جن کی درمیانی مسافت تقریباً سات سو ساڑھے ساٹھ ہاتھ بنتی ہے اور حاجی سات چکروں میں قریباً 2 کلومیٹر اور 712 میٹر کا فاصلہ طے کرتا ہے۔)

(3) ہر چکر میں صفا اور مروہ پر کھڑے ہو کر تکبیر، تہلیل اور دُعا کرنا۔

(4) ہر چکر میں صفا اور مروہ میں تین دفعہ اللہ اکبر کہنا اور یہ دُعا کرنا:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْـدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ . (مسلم:2950)

''اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اسی کی ہے، تعریفیں اسی کی ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا ہی تمام فوجوں کو شکست دی۔''

(5) اگر عذر شرعی نہ ہو تو طواف اور سعی کو پے در پے کرنا۔

سعی کے آداب

سعی کے آداب درج ذیل ہیں:

(1) بابِ صفا سے نکلنا۔

(2) سعی کے لیے جاتے وقت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ کی تلاوت کرنا۔

(3) سعی کرنے والے کا پاک ہونا۔

(4) پیدل چل کر سعی کرنا۔

(5) کثرت سے دُعا وذکر کرنا اور دیگر تمام امور سے اجتناب کرنا۔

(6) غیر محارم سے نگاہیں نیچی رکھنا اور غلط باتوں سے زبان روکے رکھنا۔

(7) سعی کے دوران میں اپنے قول وفعل سے کسی کو تکلیف نہ پہنچانا۔

(8) اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت، اصلاح اور بخشش کو انتہائی عجز وفقر کے ساتھ ذہن میں تازہ کرنا۔

سعی کی دُعائیں

سعی کے درمیان میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی خاص دُعا منقول نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ تین دفعہ اللہ اکبر کہتے اور یہ دُعا پڑھتے تھے:

لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْـدَہُ لَا شَرِیْکَ لَہُ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ اَنْجزَ وَعْدَہُ وَنَصرَ عَبْدَہُ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحَدَہُ . (مسلم:2950)

’’اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اسی کی ہے، تعریفیں اسی کی ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا ہی تمام فوجوں کو شکست دی۔‘‘

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک اثر منقول ہے کہ وہ سعی میں یہ دُعا پڑھا کرتے تھے:

رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم وانت الاعز الاکرم (مجمع الزوائد: 248/3، حدیث:5533، مجمع البحرین:1736اسنادہ ضعیف)

’’یا اللہ! مغفرت فرما، رحم کر، جو گناہ تو جانتا ہے اس سے درگزر فرما تو بہت معزز ومکرم ہے۔‘‘

اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اپنی دُعا میں وہ جو چاہتا ہے مانگ سکتا ہے اور جو دُعا اس کو پسند آتی ہے اس کو منتخب کر سکتا ہے تاہم اکثر مسلمان یہ دُعا بہت پسند کرتے ہیں:

اللّٰھم انی اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والسلامة من کل اثم والغنیمة من کل بر والفوز بالجنة والنجاة من النار . اللّٰھم لا تدع لی ذنباً الا غفرته ولا ھماً الا فرّجته ولا کرباً الا کشفته ولا حاجة من حوائج الدنیا والآخرة لک فیھا رضا ولی فیھا صلاح الا قضیتھا

''یا اللہ! میں تجھ سے تیری رحمت کے اسباب کا، تیری مغفرت کے اعمال کا، گناہ سے سلامتی کا، نیکی کی توفیق کا، جنت کی کامیابی کا اور جہنم سے نجات کا سوال کرتا ہوں۔ یا اللہ! میرا ہر گناہ معاف فرما، میرا ہر غم ختم فرما، میری ہر مشکل آسان فرما اور میری دنیا وآخرت کی ہر وہ ضرورت جس میں تیری رضا اور خیر ہو پوری فرما۔''

سعی کے دوران میں یہ ذکر کیا جا سکتا ہے:

لا الہ الا اللہ حقاً حقاً ، لا الہ الا اللہ تعبداً ورقاً ، لا الہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ ، لا الہ الا اللہ مخلصین له الدین ولو کرہ الکافرون

''اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی برحق معبود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، ہم اس کے لیے دین کو خالص کر کے اسی کی عبادت کرتے ہیں خواہ کفار اسے ناگوار سمجھیں۔''

سعی کا طریقہ

سعی کا طریقہ یہ ہے کہ حاجی باب صفا سے نکلے گا کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت بھی ہے اور صفا کے قریب بھی ہے۔ اس دوران میں وہ آیتِ کریمہ (اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ) کی تلاوت کرتا رہے گا۔ صفا پر پہنچ کر وہ رک جائے گا اور قبلہ رُو متوجہ ہو کر یہ دُعا پڑھے گا:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْـدَهُ لَا شَرِيْکَ لَهُ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهُ (مسلم:2950)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو توفیق دی وہ دُعا کرے گا۔ پھر صفا سے مروہ کا قصد کرتے ہوئے اترے گا اور ذکر کرتا، دُعا

مانگتا سعی میں آرام سے چل دے گا حتیٰ کہ جب وادی کے نشیب میں سبز نشان کے پاس پہنچے گا تو تیز تیز قدم اٹھانا شروع کر دے گا اور دوسرے سبز نشان تک اسی رفتار میں جائے گا۔ یہ وادی کی انتہا ہے جہاں اسماعیل علیہ السلام کی ماں ہاجرہؑ دوڑی تھیں۔ دوسرے نشان سے دوبارہ آرام دہ چال میں آجائے گا اور مروہ تک ذکرِ الٰہی اور درود و رسول ﷺ میں مشغول رہے گا۔ مروہ پہنچ کر چند لمحات وہاں ٹھہرے گا اور صفا کی مانند یہاں بھی تکبیر تہلیل اور دُعا کرے گا۔ اس کے بعد وہاں سے اتر کر وادی کے نشیب میں پہلے سبز نشان تک آہستہ آہستہ چلے گا اور دو نشانات کے درمیان میں دوڑے گا اور دوسرے نشان سے گزر کر آہستہ آہستہ قدم اٹھائے گا حتیٰ کہ صفا پر پہنچ کر رک جائے گا جہاں وہ اللہ اکبر کہے گا، لا الہ الا اللہ پڑھے گا اور کوئی سی دُعا مانگے گا۔ وہاں سے مروہ کا قصد کرتے نیچے اترے گا اور جس طرح پہلے عمل کیا تھا اب بھی ویسے ہی کرے گا حتیٰ کہ آٹھ وقفوں کے ساتھ سعی کے سات چکر مکمل ہو جائیں گے۔ گویا چار وقفے صفا پر اور چار وقفے مروہ پر ہوں گے۔

اگر وہ صرف عمرہ کر رہا ہے یا تمتع کا عمرہ کر رہا ہے تو اپنے بال کٹوا کر عمرہ سے حلال ہو چکا ہے لہٰذا اب وہ اپنے کپڑے پہن سکتا ہے اور خوشبو، جماع جیسی جو چیزیں احرام میں ممنوع تھیں ان میں سے سب کچھ کر سکتا ہے اور اگر حج اِفراد یا حج قِران کر رہا ہے تو وہ احرام ہی میں رہے گا، عرفات کا وقوف کرے گا، جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارے گا اور اپنا سر منڈوا دے گا۔ اب یہ ادنیٰ درجے میں حلال ہو چکا ہے لیکن اس کے بعد اگر طوافِ افاضہ بھی کرے گا تو اعلیٰ درجے میں مکمل طور حلال ہو جائے گا۔

سعی میں حکمت

ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ (البقرہ:158)

''یقیناً صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔''

جو شخص غور و فکر کے ساتھ اس آیتِ کریمہ کا مطالعہ کرتا ہے سعی کا فلسفہ اس پر بالکل عیاں ہو جاتا ہے کیونکہ جن مقامات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے مختص کیا ہے آیتِ کریمہ ان میں سے دو پہاڑوں کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔ انہی پہاڑوں پر فقر و احتیاج کے اظہار کے ساتھ ایک خاص قسم کی عبادت سعی ادا کی جاتی ہے۔ گویا سعی اللہ تعالیٰ کی بندگی کے انداز کا ایک علامتی نشان ہے۔ اس لحاظ سے صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر ہوں گے کیونکہ ان کے درمیان میں حج کا جو عمل ادا کیا جاتا ہے، وہ عبودیت کا ایک ایسا علامتی مظہر ہے جس پر حج کی عبادت قائم ہوتی ہے۔ چنانچہ سعی میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے

بندہ اپنی مکمل اطاعت گزاری کا اس عجز کے ساتھ اظہار کرتا ہے کہ اللہ تعالی اگر سعی سے بھی مشکل کام کا مجھے حکم ارشاد فرمائیں گے تو میں بلا کسی تردد کے وہ بجالاؤں گا۔ درحقیقت ایک بندے کا اپنے مالک کے ساتھ یہی رویہ ہونا چاہئے کیونکہ جذبۂ اطاعت ہی میں بندے کا تزکیۂ نفس پوشیدہ ہے اور تزکیۂ نفس کے بقدر ہی بندہ صلاح وسعادت حاصل کر پاتا ہے۔

اس عبادت کا ایک فلسفہ یہ بھی ہے کہ سعی ہمیں عہدِ قدیم میں دینِ اسلام کی نشاۃِ اول کی یاد دلاتی ہے جب اسماعیل علیہ السلام کی ماں سیدہ ہاجرہؑ بھوک اور پیاس کی شدت میں صبح وشام اپنے رب سے مدد طلب کرتی اور ان پہاڑوں کے درمیان میں دردِ غم کے خاتمے کی منتظر رہتی تھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دست گیری فرمائی کیونکہ انہوں نے اللہ تعالی پر اعتماد کیا اور خود کو اس کے سپرد کیا تھا۔ جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالی کے حکم سے وہاں چھوڑا تھا تو ہاجرہؑ نے عرض کیا: کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؟ فرمایا: ہاں۔ کہا: ٹھیک ہے آپ جائیں وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ چنانچہ وہ اللہ تعالی کے فضل وکرم کا انتظار کرتی رہیں حتی کہ انہوں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بیت اللہ کے پاس زمین پر اپنے پر مار رہے ہیں جہاں سے زمزم کا چشمہ جاری ہو گیا۔

(حاشیہ: بعض روایات میں آتا ہے کہ زمین پر جبریل علیہ السلام نے اپنی ایڑی ماری تھی اور بعض میں پر کا ذکر بھی آتا ہے۔ ان میں کوئی تعارض نہیں ہے انہوں نے پر مارا ہو یا ایڑی، زمزم کا چشمہ بہر حال پھوٹ پڑا تھا۔)

انہوں نے اس شراب وطعام پر اللہ تعالی کا شکر ادا کیا جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد جنابِ اسماعیل علیہ السلام کی خوراک کا بندوبست کیا۔

وصلى الله على محمد وعلى آله واخوانه من الانبياء والمرسلين.

وقوفِ عرفہ؛ حج کے ارکان میں سے چوتھا اور آخری رکن

حج کا چوتھا رکن وقوفِ عرفہ ہے۔ نو ذوالحجہ کی ظہر سے لے کر دس ذوالحجہ کی طلوعِ فجر کے دوران میں مقامِ عرفات پر وقوف کی نیت سے چند لمحات یا زیادہ وقت تک حاضر ہونا وقوفِ عرفہ کہلاتا ہے۔ اللہ تعالی کے اس فرمان سے وقوفِ عرفہ کا رکن ہونا ثابت ہوتا ہے:

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ (البقرہ:198)

''جب تم عرفات سے واپس آؤ تو مشعرِ حرام کے پاس اللہ تعالی کا ذکر کرو اور اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔''

اس آیتِ کریمہ میں وقوفِ عرفہ کے رکن ہونے کا صراحت کے ساتھ ذکر نہیں ہے جب کہ طوافِ افاضہ کی رکنیت کا بیان نہایت صریح الفاظ میں کیا گیا ہے کہ

وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ (الحج:29)

''اور چاہیے کہ وہ اس قدیم گھر کا طواف کریں۔''

وقوفِ عرفہ کی مانند صفا و مروہ کی سعی کا بیان بھی اس کے رکن ہونے کی صراحت نہیں کرتا کہ

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ (البقرہ:158)

''یقیناً صفا اور مروہ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہیں۔''

بالکل ایسے ہی احرام بھی حج کا ایک اہم رکن ہے لیکن کوئی آیت بھی اس کے رکن ہونے کو صریح انداز میں بیان نہیں کرتی ہے بلکہ احرام کے متعلق دو ایک احکام ہی آیات میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ (المائدہ:95)

''احرام کی حالت میں شکار مت کرو۔''

اور

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ (المائدہ:96)

''جب تک تم احرام میں رہو گے خشکی کا شکار کرنا تم پر حرام کیا گیا ہے۔''

لہٰذا اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ وقوف، سعی اور احرام کے بارے میں جب کوئی واضح حکمِ الٰہی موجود ہی نہیں ہے تو ان کو حج کے ارکان میں کیونکر شمار کیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حج وہ قدیم ترین عبادت ہے جس کو جنابِ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام پر فرض کیا گیا اور دینِ حنیف کے پیروکاروں پر بعد ازاں بھی اس کی فرضیت قائم رہی۔ عرب کے شرک اور بت پرستی کی بنا پر اگرچہ حج کے بعض شعائر میں ردوبدل کر دیا گیا تھا تاہم جب ظہورِ اسلام کا زمانہ آ گیا تو اسلام نے حج کی فرضیت اور اس کے ارکان کو باقی رکھا چنانچہ جو چیز پہلے ہی سے لوگوں میں معروف تھی اور وہ اس پر عمل پیرا بھی تھے، دوبارہ سے اس کا حکم دینے کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی۔ البتہ طواف کا حکم خاص طور پر دیا گیا ہے لہٰذا عین ممکن ہے کہ طواف کا حکم صرف اسلام کے ساتھ خاص ہوگا۔ قرآنِ حکیم میں بیان کے لحاظ سے طواف اور وقوف میں ترتیب پائی جاتی ہے جس سے عام طور پر یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے کہ عمرہ کی مانند حج میں بھی شاید طوافِ قدوم ہی کافی ہوتا ہے حالانکہ حج میں محض طوافِ قدوم کے ناکافی ہونے پر نص وارد ہوئی ہے لہٰذا وقوفِ عرفات کے بعد بھی بیت اللہ میں طواف کے لیے حاضر ہونا ضروری ہے مثلاً ایک شخص کا دیوانِ خاص میں اپنے مہمانوں کو دعوت دینا تاکہ فضل و احسان کی انواع و اقسام سے ان کی مہمان نوازی کی جائے اگرچہ ایک معقول انتظام ہے تاہم جو چیز میزبان کی سخاوت پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مہمان دیوانِ خاص میں حاضر ہونے کے بعد اس کے گھر کی زیارت کریں تاکہ انہیں مزید انعام و تکریم سے نوازا جا سکے۔

یہیں سے طوافِ افاضہ کی تاکید کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کو طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں کیونکہ عرفات میں حاضری کے بعد بیت اللہ کی زیارت کی جاتی ہے جس میں مہمانانِ گرامی کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نوازا جاتا ہے جو اس حقیقت کا اعلان ہوتا ہے کہ زائرین بہرحال ضرورت مند ہیں اور اس کی بارگاہ سے بے نیاز نہیں ہیں۔

صفا و مروہ کی سعی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِ اَنۡ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ (البقره:158)

''ان دونوں کی سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

اس آیتِ مبارکہ کے ذریعے سے وہ توہّم دور کر دیا گیا جس میں بعض مسلمان مبتلا تھے کہ صفا و مروہ کی سعی کرنا شاید گناہ کا کام ہے کیونکہ صفا پر 'اساف' اور مروہ پر 'نائلہ' نام کے بت ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ آیت میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی کہ حج و عمرہ کے دوران میں صفا و مروہ کی سعی کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ صفا و مروہ پر دو بتوں کا وجود ایک وقتی عارضہ تھا لیکن ان کی سعی کرنا عہدِ ابراہیمی علیہ السلام سے لے کر عبادت کا درجہ رکھتا ہے اور عبادت کے فرض کو شبہ کے عارضہ سے چھوڑا نہیں جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ آیتِ کریمہ اصلاحاً ایک وہمی شخص سے حرج کو ختم کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے اور جہاں تک سعی کے فرض ہونے کا تعلق ہے وہ حج کی ابتدا ہی سے معروف تھی اور عہدِ ابراہیمی علیہ السلام سے لے کر لوگ برابر اس پر عمل کرتے آ رہے تھے۔

وقوف و سعی کی رکنیت پر حدیثِ مبارکہ سے چند دلائل درج ذیل ہیں۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

الۡحَجُّ عَرَفَةُ (ابن ماجه:3015)

''وقوفِ عرفہ ہی حج ہے۔''

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

اسۡعَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيۡكُمُ السَّعۡىَ (مسنداحمد:6/422حدیث:27911)

''سعی کرنا تم پر فرض کر دیا گیا ہے پس سعی کیا کرو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملِ مبارک وقوف و سعی کے رکن ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ارشادِ گرامی ہے:

حُجُّوا كَمَا رَاَيۡتُمُوۡنِىۡ اَحُجُّ (رواه الصحيح)

''جیسے تم مجھے حج کرتا دیکھتے ہو ایسے ہی خود بھی کیا کرو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خُذُوۡا عَنِّىۡ مَنَاسِكَكُمۡ (ابو داؤد:1970)

''میرے عمل سے اپنے حج کا طریقہ سیکھو۔''

قِفُوۡا عَلٰى مَشَاعِرِكُمۡ فَاِنَّكُمۡ عَلٰى اِرۡثٍ مِنۡ اِرۡثِ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرَاهِيۡمَ (ابو داؤد:1919)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''مشاعر پر وقوف کیا کرو کیونکہ تم ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چل رہے ہو۔''
دیگر ارکانِ حج کی مانند وقوفِ عرفہ کے بھی واجبات و سنن ہیں جن کی پہچان ضروری ہے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

وقوفِ عرفہ کے واجبات

وقوفِ عرفہ کے واجبات یہ ہیں:

(حاشیہ: منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے مناسکِ حج کو میں نے وقوفِ عرفہ کے ضمن میں بیان کیا ہے کیونکہ ان میں سے بعض وقوفِ عرفہ سے پہلے اور بعض وقوفِ عرفہ کے بعد آتے ہیں مثلاً منیٰ میں نو ذوالحجہ کی رات وقوفِ عرفہ سے پہلے گزاری جاتی ہے جب کہ مزدلفہ میں نزول، جمرات کی رمی اور منیٰ کی تین راتوں کا عمل وقوفِ عرفہ کے بعد کا ہے۔)

(1) جو دن کو وقوف کرنا چاہتا ہے اس کا نو ذوالحجہ کے زوال سے لے کر غروبِ آفتاب تک عرفات میں حاضر رہنا۔

(حاشیہ: رات کے کسی لمحے عرفات میں حاضر ہونا کیا وقوف کا رکن ہے؟ مالکی علماء کے نزدیک یہ رکن ہے لہٰذا جو شخص غروبِ آفتاب کے بعد چند لمحات تک وہاں قیام نہیں کرتا ہے اس کا حج باطل ہو جائے گا لیکن جو شخص دن کے وقت عرفات میں نہ پہنچ پایا مگر رات کو حاضر ہو گیا اس پر دَم نہیں آئے گا کیونکہ اس نے دن کو زوال کے بعد عرفات میں نہ پہنچ کر وقوف کا واجب ترک کیا ہے حالانکہ رکن نہیں ہے۔ لہٰذا طبرانی میں حدیثِ مبارکہ ہے کہ جس نے رات کو عرفات کا وقوف کیا اس نے حج ادا کیا۔ گویا اس شخص پر آپ ﷺ نے دَم واجب نہیں کیا ہے۔)

(2) عرفات سے واپسی پر دس ذوالحجہ کی رات مزدلفہ میں بسر کرنا۔

(3) ذوالحجہ کے دسویں دن جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنا۔

(4) دس ذوالحجہ کو سر منڈوانا یا بال کٹوانا۔

(5) گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجہ کی دو یا تین راتیں منیٰ میں گزارنا۔ جلدی کرنے والا پہلی دو راتیں گزارے گا۔

(6) ایامِ تشریق گیارہ، بارہ، تیرہ کے دو یا تین دن زوال کے بعد روزانہ تینوں شیاطین کو کنکریاں مارنا۔

رسول اللہ ﷺ کے قول اور فعل میں واجباتِ وقوف کی دلیل پائی جاتی ہے کہ:

حُجُّوا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِیْ اَحُجُّ (رواه الصحیح)

''جیسے تم مجھے حج کرتا دیکھتے ہو ایسے ہی حج کیا کرو۔''

وقوفِ عرفہ کی سنن

وقوفِ عرفہ کی سنن درج ذیل ہیں:

(1) آٹھ ذوالحجہ کو منیٰ جانا، نو ذوالحجہ کی رات وہاں گزارنا اور طلوعِ آفتاب سے قبل منیٰ سے نہ نکل آنا۔

(2) زوال کے بعد نمرہ کے مقام پر ظہر وعصر کی قصر نمازیں ظہر کے انتہائی وقت میں جمع کر کے ادا کرنا۔

(3) ظہر وعصر کی ادائیگی کے بعد عرفات پہنچ کر غروبِ آفتاب تک ذکر وفکر میں مشغول رہنا۔

(4) نمازِ مغرب کو مزدلفہ پہنچنے تک مؤخر کرنا اور عشاء کے وقت میں دونوں نمازیں جمع کرنا۔

(5) نمازِ فجر کے بعد سے لے کر طلوعِ آفتاب سے پہلے تک مشعرِ حرام کے پاس قبلہ رُو ہو کر ذکر واذکار کرنا۔

(6) کنکریاں مارنے، قربانی کرنے، حجامت بنوانے اور طواف کرنے میں ترتیب کا لحاظ رکھنا۔

(7) دس ذوالحجہ کو طوافِ زیارت کرنا۔

وقوفِ عرفہ کے آداب یا مستحبات

وقوفِ عرفہ کے آداب درج ذیل ہیں جن کا لحاظ کرنا مستحب ہے:

1: نو ذوالحجہ کی صبح کو ضب کے راستے منیٰ سے نمرہ جانا۔

2: وقوفِ عرفہ کے لیے زوال کے بعد غسل کرنا جو حیض ونفاس میں بھی مشروع ہے۔

3: جبلِ رحمت کے نیچے اور عرفات کے درمیان میں چوڑائی نما بڑی چٹان کے پاس ٹھہرنا۔

4: عرفات کے مقام پر غروبِ آفتاب تک قبلہ رُو ہو کر دعا ومناجات اور ذکر وفکر میں کثرت کے ساتھ مشغول رہنا۔

5: عرفات سے ضب کی بجائے مأزمین کے راستے واپس آنا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے کہ آپ ﷺ ایک راہ سے گئے اور دوسری سے واپس آئے تھے۔

6: جلد بازی کی بجائے وقار وسکون سے چلنا کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

یَااَیُّهَا النَّاسُ ! عَلَیْكُمْ بِالسَّكِینَةِ فَاِنَّ الْبِرَّ لَیْسَ بِاِیْجَافِ الْخَیْلِ وَالْاِبِلِ (ابو داؤد:1920)

”لوگو! آرام سے، نیکی تیز چلنا نہیں ہے۔“ اس کو ابوداود نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

7: جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے تک منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے راستوں پر کثرت کے ساتھ تلبیہ پکارنا۔

8: جمرۂ عقبہ کو مارنے کے لیے مزدلفہ سے سات کنکریاں اٹھانا۔

9: روشنی ہونے کے بعد اور سورج نکلنے سے پہلے پہلے مزدلفہ کو چھوڑ دینا۔

10: پیدل یا سوار، وادیٔ محسّر سے جلدی میں گزرنا۔

11: جمرۂ عقبہ کو طلوعِ شمس سے لے کر زوالِ فتاب کے درمیان میں کنکریاں مارنا۔

(حاشیہ: کنکری میں شرط یہ ہے کہ وہ پاک ہو، استعمال شدہ نہ ہو، مٹر اور چنے جتنی جسامت کی ہو، نہ اس سے بڑی ہو اور نہ اس سے چھوٹی ہو۔)

12: ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہنا۔

13: قربانی کا جانور خود ذبح کرنا یا ذبح کے وقت وہاں موجود ہونا اور بسم اللہ واللہ اکبر کے بعد یہ دُعا پڑھنا:

اللّٰهم منک و الیک اللّٰهم تقبل منی کما تقبلت من ابراهیم خلیلک

”یا اللہ! میری جانب سے تیری راہ میں یہ جانور قربان کیا جاتا ہے۔ یا اللہ! اپنی جناب میں میری یہ قربانی قبول کر جیسے خلیل پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو قبول کیا۔“

14: جانور کے گوشت سے خود کھانا۔

15: طوافِ زیارت کے بعد منیٰ میں نمازِ ظہر ادا کرنا۔

16: ایامِ تشریق میں تینوں شیاطین کو کنکریاں مارنے کے لیے پیدل جانا۔

17: ہر کنکر پر اللہ اکبر کے ساتھ یہ دُعا کرنا:

اللهم اجعله حجاً مبروراً وسعیا مشکوراً وذنبا مغفوراً

”یا اللہ! میرا یہ حج قبول فرما، اس کوشش کی قدر کر اور میرے گناہ معاف کر دے۔“

18: پہلے اور دوسرے شیطان کو کنکریاں مارنے کے بعد قبلہ رُو ہو کر دُعا کرنا۔ تیسرے شیطان کے پاس دُعا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اس کو کنکریاں مار کر دُعا کے بنا ہی واپس آ گئے۔

19: جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارتے وقت منیٰ کا بائیں جانب اور قبلہ کا دائیں جانب ہونا۔

20: مکہ سے نکلتے وقت یہ دُعا پڑھنا:

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ

یہ حدیث صحیح ثابت ہے کہ مکہ سے نکلتے وقت آپ ﷺ نے یہ کلمات ادا فرمائے تھے۔

وقوفِ عرفہ کی کیفیت

وقوفِ عرفہ کی کیفیت یہ ہے کہ حاجی آٹھ ذوالحجہ کو حج کی نیت کے ساتھ اپنے گھر یا مسجدِ حرام سے احرام باندھے گا اور چاشت کے وقت تلبیہ پکارتے ہوئے دن اور رات کے قیام کی غرض سے منیٰ کی جانب روانہ ہو جائے گا۔

(حاشیہ: آٹھ ذوالحجہ کو یومِ ترویہ کہتے ہیں۔اس کی وجہِ تسمیہ میں ایک قول یہ ہے کہ اس دن حجاج کرام آئندہ کے لیے پانی اپنے ساتھ اٹھا رکھتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے آٹھ کی رات کو خواب دیکھا تھا مگر دن کو وہ متردد ہو گئے کہ ذبحِ اسماعیل علیہ السلام کا خواب شیطانی خیال ہے یا رحمانی خواب ہے۔ آخرِ کار نو ذوالحجہ کو انہیں حقیقتِ حال سے آگاہی حاصل ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ نویں کو یومِ عرفہ کہتے ہیں یعنی وہ دن جس میں ابراہیم علیہ السلام نے خواب کی حقیقت پائی تھی۔)

ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی پنجگانہ نمازیں وہاں ادا کرے گا اور طلوعِ آفتاب کے بعد یہاں سے ضب کی راہ پر نمرہ کا قصد کرے گا اور زوال تک وہیں رہے گا۔ یہاں سے غسل کر کے حدودِ عرفات کے دامن میں رسول اللہ ﷺ کی جائے نماز پر آ جائے گا جہاں خطبہ سن کر امام کی اقتداء میں ظہر وعصر کی قصر نمازیں جمع کرے گا اور نماز سے فارغ ہو کر وقوف کے لیے عرفات میں چلا جائے گا۔ میدانِ عرفات میں وہ کسی بھی جگہ پڑاؤ ڈال سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَامَوْقِفٌ (مسلم:2952)

''میں یہاں ٹھہرتا ہوں اور عرفات تمام کا تمام وقوف کی جگہ ہے۔''

جبلِ رحمت کی چٹانوں کے پاس وقوف کرنا بہتر ہے کیونکہ یہاں رسول اللہ ﷺ نے وقوف کیا ہے۔ وہ پیدل یا سوار کسی حالت میں بھی وقوف کر سکتا ہے۔ وقوف کے دوران وہ ذکر، دُعا، توبہ، اِنابت وغیرہ میں مشغول رہے گا اور سورج غروب

ہونے کے پانچ سات منٹ بعد عرفات سے واپس چل دے گا اور مأ زمین کے راستے پر تلبیہ پکارتے ہوئے سکون کے ساتھ مزدلفہ پہنچ جائے گا جہاں مغرب کی نماز سامان اتارنے سے قبل اور عشاء کی نماز سامان اتارنے کے بعد ادا کرے گا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی فعلی سنت ہے۔ مزدلفہ میں رات گزارے گا اور نمازِ فجر ادا کر کے مشعرِ حرام کا قصد کرے گا۔

(حاشیہ: زمانۂ جاہلیت میں لوگ یہاں اپنی ہدی کو اِشعار کیا کرتے تھے لہٰذا اس کو مشعر کہتے ہیں اور حدودِ حرم کا یہاں سے آغاز ہوتا ہے لہٰذا مشعر کو حرام کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے۔)

اس کو جبلِ قزح بھی کہتے ہیں۔ یہاں بھی قیام کے دوران تکبیر و تہلیل اور دُعا و عبادت میں مصروف رہے گا۔ مزدلفہ میں کسی جگہ پر بھی قیام کیا جا سکتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ (مسلم:2952)

''میں یہاں ٹھہر رہا ہوں جب کہ تمام کا تمام مزدلفہ قیام کی جگہ ہے۔''

سورج کے طلوع ہونے سے قبل اور روشنی کے نمودار ہونے کے بعد جمرۂ عقبہ کو مارنے کے لیے سات کنکریاں جمع کرے گا اور تلبیہ پکارتے پکارتے منیٰ کو روانہ ہو جائے گا۔ وادی مُحسّر میں سے تیزی کے ساتھ گزرے گا کیونکہ مسلم کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ منیٰ میں پہنچ کر جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں مارے گا۔ کنکری مارتے وقت اپنا ہاتھ بلند کرے گا اور ساتھ ہی اللہ اکبر کہے گا۔ اللہ اکبر کے ساتھ اگر یہ دُعا بھی پڑھے تو بہتر ہے:

اللّٰھم اجعله حجا مبروراً وسعیاً مشکوراً وذنباً مغفوراً

''یا اللہ! میرا حج قبول کر، میری محنت ثمر بار کر اور میرے گناہ معاف کر۔''

کنکریاں مار کر فارغ ہونے کے بعد اگر اس کے پاس ہدی کا جانور ہے تو وہ اس کو ذبح یا نحر کرے گا لیکن وہ خود اگر اس سے قاصر ہے تو کوئی دوسرا شخص اس کی نیابت میں ذبح یا نحر کرے گا۔ منیٰ میں ہر جگہ پر ہدی کا جانور ذبح کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ (مسلم:2952)

''میں یہاں ذبح کر رہا ہوں ورنہ منیٰ میں ہر جگہ ذبح کیا جا سکتا ہے۔''

قربانی کے بعد وہ اپنا سر منڈوا دے گا یا سر کے بال کٹوا دے گا۔ اگرچہ بال کٹوانے کی بہ نسبت سر منڈوانا افضل ہے تاہم

عورت کے لیے بال کٹوانا ہی واجب ہے۔

یہاں سے حاجی ایک حد تک حلال ہو چکا ہے کیونکہ بیوی کے علاوہ اس پر اب کوئی چیز حرام نہیں رہی ہے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

اِذَا رَمَی اَحَدُکُمْ جَمْرَۃَ الْعَقَبَۃِ فَقَدْ حَلَّ لَہُ کُلُّ شَیْءٍ اِلَّا النِّسَاءَ (ابو داؤد:1978)

''تم میں سے جب کوئی شخص جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مار چکے تو عورت کے علاوہ اس پر سب کچھ حلال ہو جاتا ہے۔''

لہٰذا اب وہ سر ڈھانپ سکتا ہے اور کپڑے پہن سکتا ہے۔اس کے بعد طوافِ زیارت کے لیے مکہ چلا جائے گا۔یہ طواف حج کا چوتھا رکن ہے۔سات چکروں میں بیت اللہ کا طواف کرے گا جس میں نہ اِضطباع کرے گا اور نہ ہی رَمل کرے گا اور طواف سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کرے گا۔حج اِفراد یا حج قران میں اگر وہ طوافِ قدوم نہیں کر سکا یا وہ حج تمتع کر رہا ہے تو اپنے حج کے لیے وہ سات چکر لگا کر صفا و مروہ کی سعی کرے گا جس کا بیان گزر چکا ہے۔

سعی سے فارغ ہو کر مکمل طور پر وہ حلال ہو چکا ہے لہٰذا اب خوشبو یا جماع جیسا ہر وہ کام کر سکتا ہے جو احرام میں منع کر دیا گیا تھا۔اسی دن وہ منیٰ میں واپس لوٹ آئے گا اور وہاں رات گزارے گا۔ایامِ تشریق میں پہلے دن زوال کے بعد شیاطین کے پاس جائے گا اور جمرۂ اولیٰ کو کنکریاں مارے گا۔

(حاشیہ: یہ جمرہ مسجد خیف کے پاس ہے۔)

اور یکے بعد دیگرے سات کنکریوں میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ اکبر کہے گا۔اس سے فراغت کے بعد تھوڑی دور ہٹ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا کہ اس نے شیطان پر اس کو فتح نصیب کی ہے۔اس کے بعد جمرۂ وسطیٰ کی جانب متوجہ ہوگا جو اولیٰ کے بعد اور عقبہ سے پہلے ہے۔اس کو بھی اولیٰ کی مانند ہی کنکریاں مارے گا اور بعد میں دُعا بھی کرے گا جیسے اولیٰ کے وقت دُعا کی تھی۔بعد میں وہ جمرۂ عقبہ کے پاس جائے گا،اس کو بھی سات کنکریاں مارے گا اور ہر ایک کنکری کے ساتھ تکبیر کہے گا مگر اس کو کنکریاں مارنے کے بعد پہلے اور دوسرے کی مانند دُعا نہیں کرے گا بلکہ کنکریاں مارنے کے ساتھ ہی واپس چلا جائے گا اور دوسرے دن بھی جب سورج ڈھل جائے گا تو شیاطین کے پاس جا کر بالکل پہلے دن کی مانند انہیں کنکریاں مارے گا۔اگر دو دن میں وہ واپس آنا چاہتا ہے تو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے مکہ کی جانب نکل آئے گا لیکن وہ دو دن میں اگر واپس نہیں

آنا چاہتا ہے تو یہ رات بھی منیٰ میں بسر کرے گا اور تیسرے دن کے زوالِ شمس کا انتظار کرے گا اور سابقہ دو ایام کی مانند تینوں شیاطین کو سات سات مرتبہ ترتیب وار کنکریاں مارے گا۔ اس کے بعد مکہ واپس پلٹ آئے گا۔ وہ وادیٔ محصب میں اگر پڑاؤ کرتا اور رات کے پچھلے پہر مکہ میں داخل ہوتا ہے تو یہ بھی درست ہے اور وادیٔ محصب میں اگر قیام نہیں کرتا بلکہ سیدھا مکہ ہی میں داخل ہوتا ہے تو یہ بھی درست ہے۔ واپسی کے سفر کا ابھی ارادہ ہے تو طوافِ وداع کرے گا یا کچھ دیر انتظار کے بعد اگر سفر کرنا چاہتا ہے تو بھی اس کا آخری عمل بہر حال بیت اللہ کا طواف ہی ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

(حاشیہ: ایک قول کے مطابق وادیٔ محصب میں ٹھہرنا مستحب نہیں ہے کیونکہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: یہ خاص رسول اللہ ﷺ کی منزل تھی گویا ان کے نزدیک وادیٔ محصب میں ٹھہرنا سنت نہیں ہے۔)

عرفات اور مشعرِ حرام کی دُعائیں

یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ عرفات، مشعرِ حرام یا کسی بھی منسک کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو کوئی خاص دُعا نہیں سکھائی ہے تا کہ جو شخص حج یا عمرہ کرتا ہے وہ دنیا و آخرت میں اپنی ضرورت کے مطابق اپنی استعداد کے لحاظ سے اور اپنے خاص انداز میں دُعا کر سکتا ہے۔ لیکن جب دُعا ایک عبادت بلکہ عبادت کا بھی مغز ہے اور ان مقامات پر خصوصاً دُعا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس کتاب میں وہ تمام مسائل آ جائیں، حج جیسے فریضۂ عظیم کی ادائیگی میں جن کی ضرورت پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ اکثر حجاج کرام کو اَدعیۂ ماثورہ کے یاد کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے یا وہ ان دُعاؤں کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں خواہ وہ دُعا کرنا واجب خیال کرتے ہوں یا اس کو مستحب سمجھتے ہوں بلکہ بعض علمائے کرام نے رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ دُعائیں بھی جمع کر رکھی ہیں۔ چنانچہ ہر مقام کے بعد اہلِ علم کے ذخیرے سے میں چند دُعائیں ذکر کروں گا جو میرے خیال میں دنیا و آخرت کی خیر و برکت پر مشتمل ہوں گی۔ یومِ عرفہ کے لیے میں نے جو دُعائیں منتخب کی ہے ان میں سے زیادہ تر کسی خاص مقام یا کسی خاص وقت سے تعلق نہیں رکھتیں مگر رسول اللہ ﷺ یہ دُعائیں پڑھا کرتے تھے جو درج ذیل ہیں:

لا الـہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ، لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیء قدیر

''اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبودنہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے، اسی کی تعریفیں ہیں، وہی زندگی دیتا ہے، وہی موت دیتا ہے، وہ زندہ ہے مرے گا نہیں، تمام خیر اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز ہر قادر ہے۔''

اللّٰھم اجعل فی بصری نوراً ، وفی سمعی نوراً ، واجعلنی ممن تباھی بھم الملائکة ..اللّٰھم اشرح لی صدری ویسر لی امری .. اللّٰھم رب لک الحمد کما تقول ، وخیراً مما نقول ، لک صلا تی ونسکی ، ومحیای ومماتی ، والیک مآبی .

''یا اللہ! میری آنکھوں میں نور دے، میرے کانوں میں نور کر اور مجھ کو ایسا بنا جن پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔ یا اللہ! میرا سینہ کھول دے، میرا کام آسان فرما۔ یا اللہ! یا رب! تیری تعریفیں وہ ہیں جو تو نے بیان کی ہیں۔ ہم تجھ ہی سے بھلائی طلب کرتے ہیں میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت تیرے ہی لیے ہے اور تو ہی میری پناہ گاہ ہے۔''

اللّٰھم انی اعوذبک من وسواس الصدر ، وشتات الامر ، وعذاب القبر ، واعوذ بک من فتنة المحیا والممات .

''یا اللہ! میں کام کی مشکلات، سینے کے وسواس اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں زندگی کے امتحان اور موت کی سختی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

اللّٰھم اھدنی بالھدی ، واغفرلی فی الآخرة والاولیٰ ، یا خیر مقصود ، واکرم مسؤول .

''یا اللہ! مجھے ہدایت کی راہ دکھلا، مجھے دنیا اور آخرت میں معاف فرما، آپ بہترین مقصود اور معزز ترین مسئول ہیں۔''

اللّٰھم یا رفیع الدرجات ، وفاطر الارض والسماوات ، لقد ضجت الیک الاصوات بصنوف اللغات یسألک بھا اصحابھا الحاجات ، وحاجتی الیک اللّٰھم الا تنسنی برحمتک فی دار البلاء اذا نسینی اھل الدنیا .

''یا اللہ! اے بلند درجات والے! اے زمین و آسمان کو بنانے والے! میں نے زبان کی ان تمام قسموں

کے ساتھ تیری جناب میں آواز بلند کی ہے جن میں اہلِ زبان اپنی حاجات تیرے حضور پیش کرتے ہیں اور میری حاجت تیری بارگاہ ہی میں ہے۔ یااللہ! آخرت میں جب اہلِ دنیا مجھے بھلا دیں گے تو اپنی رحمت کے ساتھ مجھے نہ بھلانا۔''

اللّٰھم انک تسمع کلامی ، وتری مکانی ، وتعلم سری وعلانیتی ، ولا یخفی علیک شیء من امری ، اسألک مسألة المسکین ، فلا تجعلنی بدعائک رب شقیاً ، وکن بی رؤوفاً رحیماً یا خیر مسؤول ، واکرم مأمول .

''یااللہ! بلاشبہ آپ میری بات سنتے ہیں، میری جگہ دیکھتے ہیں، میرے ظاہر و باطن کو جانتے ہیں اور میرا کوئی کام بھی آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں مسکین بن کر آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس دُعا میں محروم نہ رکھنا۔ آپ مجھ پر رحم کریں اور شفقت فرمائیں کیونکہ آپ بہترین ذات ہیں جس سے سوال کیا جاتا ہے اور معزز ترین ہیں جن سے رجوع کیا جاتا ہے۔''

اللّٰھم یا اللہ یا رب الیک خرجنا ، وبفنائک انخنا ، ولاحسانک تعرضنا ، ومن عذابک اشفقنا ، والیک بذنوبنا ھربنا ، یا من یملک حوائج السآئلین ، فاجعل حجنا مبروراً ، وسعینا مشکوراً ، وذنبنا مغفوراً ، ارزقنا رضاک ، ولا تحرمنا احسانک ، وکن لنا ولیاً ، وبنا حفیاً ، واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الآخرة .

''یااللہ! اے ہمارے معبود! اے ہمارے پروردگار! ہم تیری جناب میں حاضر ہیں، ہم تیرے صحن میں جھکتے ہیں، ہم تجھ سے احسان طلب کرتے ہیں، ہم تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں اور ہم اپنے گناہوں کی بنا پر تجھ سے خوف کھاتے ہیں۔ اے وہ ذات جو منگتوں کی ضروریات کی مالک ہے! ہمارا حج قبول کر، ہماری محنت ثمر بار کر، ہمارے گناہ معاف فرما، تو ہم سے خوش ہو جا، ہمیں اپنے احسان سے محروم نہ کر، تو ہمارا سرپرست بن جا، ہمارے یہاں آنے کا خیال کر اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے بچا۔''

اللّٰھم ان کان لکل ضیف قری ونحن اضیافک ، فاجعل قرانا منک الجنة والفوز برضاک

''یااللہ! ہر مہمان کی ضیافت ہوتی ہے۔ہم تیرے مہمان ہیں تو ہمیں ضیافت میں اپنی رضا سے جنت اور کامیابی عطا فرما۔''

اللّٰھم یا ارحم الراحمین ، ویا رب العالمین ، لا تجعل ھذا آخر عھدنا من ھذا الموقف ، وارزقنا ما احییتنا ، وردنا الی اھلینا سالمین ، واغفر لنا وارحمنا وارزقنا وتجاوز عنا ، وارحم واغفر لعامة المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات ، وصل اللّٰھم وسلم علی عبدک ونبیک ورسولک سیدنا محمد وآله وصحبه وازواجه ، کما صلیت علی ابراھیم وآل ابراھیم انک حمید مجید .

''یااللہ! تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔تو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔اس حج کو ہمارا آخری عہد نہ بنانا۔تو نے جب زندگی دی ہے،ہمیں رزق عطا فرما،ہمیں اپنے اہلِ خانہ میں خیریت سے پہنچا، ہمارے گناہ معاف فرما،ہم پر رحم کر،ہمیں رزق عطا فرما،ہم سے درگزر فرما،زندہ اور مردہ تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں،مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں پر رحم کر اور انہیں معاف فرما۔یااللہ! اپنے بندے، نبی اور رسول، ہمارے آقا محمد ﷺ پر،آپ ﷺ کی اولاد پر،آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر اور آپ ﷺ کی ازواجؓ پر درود وسلام بھیج جیسے ابراہیم علیہ السلام اور آلِ ابراہیم علیہ السلام پر تو نے درود بھیجا ہے۔بلاشبہ تیری تعریف اور بزرگی بیان کی جاتی ہے۔''

مزدلفہ کے لیے درج ذیل دُعائیں ہیں:

اللّٰھم انی اسئلک فی ھذا الجمع ان تجمع لی جوامع الخیر کله ، وان تصلح لی شأنی کلّه ، وان تصرف عنی السوء کلّه ، فانه لا یقدر علی ذلک غیرک ، ولا یجود به الا انت ، یا قوی یا متین یا رؤوف یا رحیم .

''یااللہ! جمع کے اس مقام پر میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ خیر کے تمام اوصاف مجھ میں جمع کر دے، میرے تمام امور کی اصلاح فرما، مجھ سے ساری برائیاں دور کر دے۔بلاشبہ آپ کے علاوہ اس پر کوئی قدرت نہیں رکھتا اور آپ کے علاوہ کوئی اس کو عمدہ نہیں بنا سکتا۔آپ قوی ہیں، متین ہیں، رؤوف ہیں، رحیم ہیں۔''

اللّٰهم آت نفسی هداها ، وزكها انت خير من زكاها ، انت وليها ومولاها ، اللّٰهم ان هذه مزدلفة ، وقد جمعت فيها ألسنة مختلفة ، تسألک حوائج متنوعة مختلفة ، اللّٰهم فاجعلنی ممن دعاک فاستجبت له ، وممن توكل عليک فكفيته ، وممن استجاربک من العذاب والخزی فاجرته .

''یااللہ! میرے نفس کو ہدایت دے،اس کو پاک کردے کہ تو بہترین تزکیہ فرمانے والا ہے اور آپ ہی اس کے سرپرست اور کارساز ہیں۔یااللہ! یہ مزدلفہ ہے آپ نے اس میں مختلف زبانوں کو جمع کردیا ہے جو تجھ سے مختلف حاجتوں کا سوال کررہی ہیں۔یااللہ! مجھے بھی ان سا بنادے جن کی دُعا قبول کی جاتی ہے، جو تجھ پر توکل کرتے ہیں اور تو انہیں کافی ہوتا ہے اور جو تجھ سے عذاب وذلت کی پناہ مانگتے ہیں اور تو انہیں بچالیتا ہے۔''

اللّٰهم انی اعوذبک من العجز والكسل ، واعوذبک من الجبن والبخل ، واعوذبک من الفقر ، وعذاب القبر .

''یااللہ! میں عاجزی اور کاہلی سے تیری پناہ مانگتا ہوں، میں بزدلی اور کنجوسی سے تیری مانگتا ہوں اور میں فقر اور قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

اللّٰهم انی اسئلک ان تقضی عنی المغرم ، وان ترضی عنی الخصوم والمظالم يا ارحم الراحمين ، يا رب العالمين ، وصلِّ اللّٰهم علی نبيک ورسولک محمد وآله وصحبه اجمعين .

''یااللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرا قرض اتاردے اور ناراض کو مجھ سے خوش کردے تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا،تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔یااللہ! اپنے نبی اور رسول محمد ﷺ پر،ان کی تمام آل پر اور ان کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم پر درود وسلام نازل فرما۔''

یومِ عرفہ کی فضیلت

یومِ عرفہ کو فضیلت وبرکت کے انداز میں یاد کیا جاتا ہے۔گردشِ لیل ونہار میں عرفہ سے بہتر دن پر سورج کبھی طلوع ہوا

ہے اور نہ ہی غروب ہوگا۔ روایات میں آتا ہے کہ اس ایک دن کا روزہ غیر حاجی کے دو سالہ گناہ ختم کر دیتا ہے اور یہ بھی روایت کیا گیا کہ عرفہ کی شام سے زیادہ ابلیس کو غصیلا، نکوا اور حقیر کبھی نہیں دیکھا گیا ہے۔

یہ بھی صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ اس دن جو شخص اپنی آنکھ، کان اور زبان کو قابو میں رکھتا ہے اس کو معاف کر دیا جاتا ہے اور یہ بھی صحیح ثابت ہے کہ بہترین دُعا عرفہ کے دن کی دُعا ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں نے ان الفاظ میں مانگی:

لا الہ الا اللہ ، وحدہ لا شریک لہ ، لہ الملک ولہ الحمد ، بیدہ الخیر وھو علی کل شیء قدیر .

''اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے، اسی کی تعریفیں ہیں، تمام خیر اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

ابن ماجہ میں عبداللہ بن کنانہ بن عباس بن مرداس سلمی سے روایت ہے:

اَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَعَا لِاُمَّتِهِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ بِالْمَغْفِرَةِ . فَاُجِيبَ : اِنِّیُ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ ، مَا خَلَا الظَّالِمَ . فَاِنِّیُ آخُذُ لِلْمَظْلُومِ مِنْهُ . قَالَ : اَیُ رَبِّ اِنُ شِئُتَ اَعُطَيُتَ الْمَظْلُوُمَ مِنَ الْجَنَّةِ . وَغَفَرْتَ لِلظَّالِمِ فَلَمْ يُجَبْ [عَشِيَّتَهُ] . فَلَمَّا اَصْبَحَ بِالْمُزْدَلِفَةِ اَعَادَ الدُّعَاءَ . فَاُجِيبَ اِلٰى مَا سَاَلَ . قَالَ : فَضَحِکَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ، اَوْ قَالَ : تَبَسَّمَ . فَقَالَ لَهُ اَبُوبَكرٍ وَعُمَرُ : بِاَبِی اَنْتَ وَاُمِّی اِنَّ هٰذِهِ لَسَاعَةٌ مَاكُنْتَ تَضْحَکُ فِيهَا . فَمَا الَّذِی اَضْحَکَکَ ؟ اَضْحَکَ اللهُ سِنَّکَ قَالَ : اِنَّ عَدُوَّ اللهِ اِبْلِيسَ ، لَمَّا عَلِمَ اَنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ قَدِ اسْتَجَابَ دُعَائِی ، وَغَفَرَ لِاُمَّتِی، اَخَذَ التُّرَابَ فَجَعَلَ يَحْثُوهُ عَلٰى رَاْسِهِ وَيَدْعُوُ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُورِ . فَاَضْحَكَنِی مَا رَأَيْتُ مِنْ جَزَعِهِ (ابن ماجه:3013)

رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کی سہ پہر کو اپنی امت کی مغفرت کے لیے دُعا کی تو جواب دیا گیا: ظالم کے سوا میں نے تمام کو معاف کر دیا ہے مگر مظلوم کی دادرسی میں ظالم کو پکڑوں گا۔ عرض کیا: یا اللہ! آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت دے کر ظالم کو بھی معاف کر سکتے ہیں؟ رات کو اس کا جواب نہ دیا گیا۔ چنانچہ مزدلفہ پہنچ کر آپ ﷺ نے دوبارہ وہی دُعا کی جس کو قبول کیا گیا اور آپ ﷺ مسکرا دیئے ۔ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے

عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ قربان جائیں اور آپ ﷺ ہمیشہ مسکراتے رہیں! اس وقت آپ ﷺ کو کس چیز نے ہنسا دیا ہے؟ فرمایا: اللہ کے دشمن شیطان کو جب معلوم ہوا کہ میری دُعا قبول ہوگئی اور میری امت کو معاف کر دیا گیا ہے، اس نے سر میں خاک ڈالنا اور واویلا کرنا شروع کر دیا جس پر مجھے ہنسی آ گئی ہے۔''

ابن ماجہ نے ابن مسیّب کے واسطے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ يَوْمٍ اَكْثَرَ [مِنْ] اَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَ فِيهِ عَبْداً مِنَ النَّارِ، مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ . (ابن ماجه:3014)

''عرفہ کے دن اللہ تعالی سب سے زیادہ افراد کو جہنم سے آزاد کرتے ہیں ''

جو احادیث ہم نے بیان کی ہیں بلا شبہ اس عظیم دن کی فضیلت پر کافی دلالت کر رہی ہیں۔ ان سے مقصد یہ ہے کہ حجاج کرام یومِ عرفہ کی تعظیم کریں کیونکہ یہ دن شعائر اللہ میں سے ایک ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿٣٢﴾ (الحج:32)

''اور جو اللہ تعالیٰ کے شعائر کا احترام کرتا ہے تو یقیناً یہ دلوں کے تقوی سے ہے۔''

اس دن کی تعظیم جیسے خیر وطاعت کے اعمال بکثرت بجالانے میں ہے بالکل ایسے ہی منکرات وفواحش سے اجتناب کرنا بھی تعظیمِ عرفہ کا تقاضا ہے۔

وقوفِ عرفات، مزدلفہ میں رات گزارنے، حلق، رمی اور ایامِ تشریق کے دوران منیٰ میں اقامت کا فلسفہ

جناب ابراہیم علیہ السلام نے جب خانۂ کعبہ تعمیر کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں میں حج کا اعلان کریں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ (الحج:27)

''اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو۔''

ابراہیم علیہ السلام کی ذمہ داری اعلان کرنا تھی اور اللہ تعالیٰ کا کام اس کو پہنچا دینا تھا چنانچہ اللہ تعالی نے مخلوق میں سے جس کو چاہا ان کے اس اعلان کی آواز سنا دی۔

حج کا یہ اعلان دراصل ایک سرکاری دعوت کی مانند تھا جس میں ایک خاص قریبی نمائندے کے ذریعے سے کوئی بادشاہ اپنے خادموں اور نوکروں کو مدعو کرتا ہے تاکہ وہ بادشاہ کے گھر کی زیارت کریں اور وہاں سے انعام وطعام وصول کریں۔

مہمانوں کی استعداد واستطاعت کے فرق اور گھروں کے قرب وبُعد کے اختلاف کے پیشِ نگاہ اس زیارت کے لیے دو ماہ دس دن کی مدت مقرر کردی گئی ہے تاکہ اس عرصے کے اندر اندر شخص آسانی سے حاضر ہوسکے خواہ ان کے گھر کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں۔ تمام لوگ وفود کی شکل میں آتے ہیں اور کرۂ زمین کے نشیب وفراز سے جماعتوں کی صورت میں جوق دَر جوق آ حاضر ہوتے ہیں جن کے لیے ایک وقت مقرر اور ایک مقام مختص کردیا گیا ہے۔

یاد رہے یہ عرفہ کا دن ہوگا جس میں وہ اپنا جلوہ دکھائے گا اور عبادت میں اخلاص کے تناسب سے اپنے فضل واحسان کے انعام واکرام سے انہیں نوازے گا۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ وہ آٹھویں ذوالحجہ کو وہی سرکاری لباس پہن کر باہر آئیں جس کے ساتھ وہ اپنے آقا کی حدود اور داعی کے حرم میں داخل ہوئے تھے اور تیار ہوکر منیٰ میں جاپڑاؤ کریں تاکہ مقررہ دن کا سورج

طلوع ہوتے ہی حاضری کے لیے مکمل تیاری میں ہوں۔دن کے پہلے حصے میں نمرہ جا کر ٹھہر جائیں اور ملاقات کے وقت زوالِ آفتاب تک کھا پی کر نہا دھولیں گے۔نماز گاہ میں ظہر وعصر کی قصر نمازیں جمع کر کے ادا کریں گے۔اب وہ مناجات کے لیے بالکل فارغ اور ملاقات کے لیے مکمل تیار ہو گئے ہیں۔لہٰذا وہ بڑے جوش وخروش سے عرفات کے وسیع وعریض میدان میں جا وقوف کریں گے اور خشوع وخضوع کے ساتھ رو رو کر اللہ تعالیٰ کے حضور برابر دُعائیں کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالی ان پر متوجہ ہوگا اور ان کے من کی مرادیں پوری فرمائے گا۔وہ احسان کرنے والوں کی عزت افزائی کرے گا اور برائی کرنے والوں کو معاف فرمائے گا۔ایسے مہمانوں پر آسمان کے فرشتے بھی فخر کرتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ اپنے عطیات وانعامات پر گواہ بناتے ہیں۔

صدیوں سے وزنی دن کے زمانوں پر بھاری لمحات غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں اور مالکِ کائنات انہیں مزدلفہ واپس پلٹ جانے کی اجازت دے دیتا ہے۔پڑاوٴ کی اس جگہ کے متعلق پہلے ہی سے انہیں بتا دیا گیا ہے تاکہ فرحت وانبساط کے ساتھ رات وہاں گزاریں اور صبح ہوتے ہی مشعرِ حرام کے پاس وقوف کریں اور اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کو یاد کر کے انعام واکرام پر اس کا شکریہ ادا کریں۔ارشادِ الٰہی ہے:

فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ ۖ وَ اذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ ۚ (البقرہ:198)

”جب تم عرفات سے واپس آوٴ تو مشعرحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی ہے“

اور سورج نکلنے سے قبل ہی اپنے مالک کے گھر کی جانب کوچ کر جائیں گے جو ان کے جمع وقیام کی جگہ ہے۔راستے میں اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنے اور دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے دشمن کو کنکریاں مارتے ہیں حالانکہ حق تو یہ ہے کہ اس کو شعلوں اور انگاروں سے مارا جائے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی اور اس کی دوستی سے انہیں محروم کر دیا تھا جب ان کے والدین کو ممنوع دانہ کھلا کر جنت کے باغوں اور فردوس کی نعمتوں سے نکلوا دیا تھا۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيۡطٰنُ عَنۡهَا فَاَخۡرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيۡهِ ۖ (البقرہ:36)

”پھر شیطان نے ان دونوں کو اس سے ہٹا دیا اور ان کو اس حالت سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے۔“

اسی دن سے آدم کی اولاد حیرتِ فکر اور وحشتِ نفس میں مبتلا ہے اور یہ کیفیت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک وہ اپنے اصلی وطن جنت میں نہ پہنچ جائیں گے جو پاک سرزمین محبت کا گہوارہ ہے۔ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

ولکننا نسبی العدو فهل تری　　　　نعود الی اوطاننا ونسلم

''ہم اپنے دشمن پر لعنت کرتے ہیں مگر کیا اس نے نہیں دیکھا کہ ہم اپنے وطن کی جانب لوٹ رہے ہیں جہاں ہم سلامتی میں ہوں گے؟

آپ نے ملاحظہ کیا کہ محبت الٰہی میں چند لمحات گزارنے کے بعد انہیں شیطان یاد آجاتا ہے جس نے مقامِ مقدس سے انہیں محروم کرایا تھا لہٰذا وہ راستے ہی میں اس کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور اپنے افعال سے اس پر لعنت کرتے اور اپنے اقوال سے اس کی اہانت کرتے ہیں۔

منیٰ میں بیت اللہ کی زیارت سے قبل وہ اپنے جسم سے میل کچیل صاف کرتے، اپنی نذریں پوری کرتے اور تکبیر و تہلیل کے ساتھ خوشی خوشی اپنے جانور قربان کردیتے ہیں اور گردوغبار ختم کرنے کے لیے اپنا سر منڈواتے یا بال کٹواتے ہیں۔ بعد میں وہ بیت اللہ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔اس کی زیارت کرتے انعامات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، اس کے گھر کا طواف کرتے ہیں اور اس کی حمدوثنا بیان کرتے ہیں۔ گویا وہ یہ گواہی دے رہے ہوتے ہیں کہ جس محفل میں انہیں بلایا گیا تھا وہاں وہ جا چکے اور جس انعام کا ان کو وعدہ دیا گیا تھا وہ پاچکے ہیں اور اب دوبارہ یہاں آئے ہیں تاکہ حاضری کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرادیں اور یہ اعلان کردیں کہ ہم مہمانوں کی خوب خوب آؤ بھگت کی گئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس فضیلت کی جگہ پر یہ پہنچے ہیں ایسی جگہ پہنچنا اور جس دعوت کو انہوں نے قبول کیا ہے اس کا قبول کرنا جہدوکاوش اور تھکان ومصیبت کے بعد ہی کہیں جا کر ممکن ہوا ہے کیونکہ دور دراز گھروں سے رہائش، کپڑے، کھانے وغیرہ چھوڑنا ایک بہت مشکل کام ہوتا ہے۔لہٰذا ایسی صورتِ حال میں کسی خوش کن، ہوادار اور پاکیزہ قسم کی وسیع جگہ پر چند دن آرام کرنا انتہائی ضروری سمجھا گیا ہے تاکہ اِستراحت کے بعد جسمانی قوت بحال ہو جائے اور وہ بیت اللہ کو وداع کرکے اپنے گھروں کو جاسکیں۔

کتنا مہمان نواز ہے ان کا مالک! اور کیا خوب ہے ان کی میزبانی! اس نے منیٰ کا وسیع وعریض میدان ان کے لیے تیار کیا جس کی کشادگی ہوادار اور پاکیزہ ہے۔ وہ یہاں تین دن اقامت اختیار کرتے ہیں لیکن جو دو دنوں میں جلدی واپس آنا چاہتا

ہے اس کو بُرا بھلا نہیں کہا جاتا بلکہ یہاں سکونِ قلب اور غذائے بدن جیسے کثیر فوائد کے ساتھ وہ یہ دن گزارتے ہیں۔ وہ کھاتے پیتے ہیں اور تکبیر و تہلیل کرتے ہیں حتیٰ کہ جب ان کے دن پورے ہو جاتے اور ارواح و اجسام راحت محسوس کرتے ہیں تو بیت اللہ کے پاس جاتے، اس کو الوداع کہتے اور واپس لوٹ آتے ہیں۔ ہر شخص اپنی جائے پیدائش اور آبائی وطن جانے کے لیے اپنے اپنے ملک کی راہ پر چل دیتا ہے۔

یا الٰہی! تمام جہانوں میں ان پر سلامتی ہو، انہیں خیریت سے گھر پہنچانا۔

فلسفۂ حج کا خلاصہ

1: وقوفِ عرفہ کا فلسفہ یہ ہے کہ حج کا پہلا مقصد بیت اللہ کی زیارت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ زائرین کے لیے اپنے گھر سے ملحقہ وسیع صحن میں ایک مجلس کا اہتمام کرتا ہے۔ اصحابِ مجلس کو یہاں فیضِ ربانی اور عطائے الٰہی سے نوازا جاتا ہے۔ انعام و اکرام کی تقسیم کے لیے چونکہ خاص یہی دن رکھا گیا ہے لہٰذا جو شخص میدانِ عرفات میں حاضر نہیں ہوتا اس نے گویا حج ہی ادا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلحجُّ یَومَ عَرَفَةَ (ابو داؤد:1949، احمد:4/310 حدیث:18981)

''وقوفِ عرفہ ہی حج ہے۔''

اس جگہ تمام حجاج کرام کا جمع ہونا دراصل اس حقیقت کا اشارہ دیتا ہے کہ قیامت کے دن عدل وانصاف کے لیے تمام ابنائے آدم کو دوبارہ جمع کیا جائے گا۔

2: قیامِ مزدلفہ میں حکمت یہ ہے کہ پورا آدھا دن عرفات میں وقوف سے ان کو جو تھکن ہوئی ہے مزدلفہ میں رات گزار کر اس کو اتار سکیں یا اس پڑاؤ میں مغرب وعشاء کی نماز کے ساتھ کم از کم چند لمحات تک ستا سکیں اور مشعرِ حرام میں وقوف کا فلسفہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرفات میں انہیں جن نعمتوں سے نوازا ہے اس دوران میں انہیں یاد کریں اور تکبیر و تہلیل کے ساتھ اس کے شکر و سپاس اور حمد و ثنا میں مشغول رہیں۔

3: شیطان کو کنکریاں مارنے میں حکمت یہ ہے کہ اس پر غیظ وغضب سے حجاج کرام کا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے جس پیار سے اہلِ موقف لطف اندوز ہوئے ہیں، ملعون ابلیس کے سبب دنیا و آخرت میں اس محبت سے انہیں محروم ہونا پڑتا ہے لہٰذا اس پر ناراض ہونا ان کا حق بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حجاج اس جگہ کو دیکھتے ہیں جہاں وہ ابراہیم علیہ السلام کے راستے میں آ کھڑا ہوا تھا تو حقارت میں اس پر لعن بھیجتے ہیں اور اہانت میں اس کو کنکریاں مارتے ہیں۔

4: قربانی اور حجامت کا فلسفہ یہ ہے کہ اپنے اعلیٰ ترین مقصد کو حاصل کرنے پر اس کے ذریعے سے وہ شکر کا اعلان اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرنے کے لیے جانور قربان کرتے ہیں اور بیت اللہ کی زیارت کے لیے اپنا میل ختم کرتے اور غبار دور کرتے ہیں۔

5: اقامتِ منیٰ میں حکمت یہ ہے کہ مراسمِ حج کو ادا کرنے میں جو طاقت خرچ ہوئی ہے ان ایام کے عوض میں اَکل وشرب اور راحت وآرام سے زائرین کے بدنی اعضاء میں وہ قوت دوبارہ سے بحال ہو جاتی ہے۔ بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا:

وَاَيَّامُ مِنًى اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ (مسلم:2679)

''ایامِ منیٰ اَکل وشرب اور ذکر وفکر کے دن ہیں۔''

یہ حج کی عبادت کے چند وہ اسرار ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انکشاف کیا ہے مگر اس کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ حج اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے جس میں تزکیۂ نفس کا سامان ہے اور تزکیۂ نفس دنیا وآخرت میں انسان کی فوز وفلاح کا ضامن ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ مخلوق کا احوال کیا ہے؟ اس کی شریعت میں حکمتیں کتنی ہیں؟ اور اس کے امر ونہی میں فوائد کتنے ہیں؟

وصلی اللہ علی نبینا محمد واله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً

طوافِ وداع

طوافِ وداع حج کا تیسرا طواف ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ واجب ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کو سنت کہتے ہیں۔ جمہور نے طوافِ وداع کو واجب کہا ہے لیکن اس کے چھوڑنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذبح یا روزے کا حکم ثابت نہیں ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ عورت کو طوافِ وداع کے بغیر بھی مکہ سے نکل جانے کی رخصت دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی صفیہ رضی اللہ عنہا اس طواف کا ارادہ رکھتی تھیں۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا حیض سے ہیں۔ فرمایا: کیا وہ ہمیں روک رکھے گی؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: حیض سے پہلے وہ طوافِ افاضہ کر چکی ہیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے کوچ کیا اور انتظار تک نہ کیا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا طوافِ وداع کے لیے پاک ہو جائیں۔ (مسلم:3222)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طوافِ وداع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مؤکدہ ہے، بلا عذر جس کو چھوڑنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ چنانچہ جو شخص کسی عذرِ شرعی کے سبب اس کو چھوڑتا ہے اس پر کوئی حرج نہیں ہے لیکن جو شخص جان بوجھ کر بلا وجہ اس کو چھوڑتا ہے اس پر کفارہ میں دَم واجب ہوگا کیونکہ اس نے فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواہ نہ کر کے استخفافِ سنت کا گناہ کیا ہے۔ ارشادِ گرامی ہے:

لَا يَنۡفِرَنَّ اَحَدٌ حَتّٰى يَكُوۡنَ اٰخِرُ عَهۡدِهٖ بِالۡبَيۡتِ (مسلم:3219)

''وداع بیت اللہ سے آخری عہد ہے اس کے بنا کوئی شخص نہیں جائے گا۔''

طوافِ وداع کا طریقہ

منیٰ سے واپسی پر وادیٔ محصب میں قیام کرنا حاجی کے لیے مستحب ہے۔ وہ رات کو یہیں ٹھہرے گا اور پچھلے پہر مکہ میں داخل ہوگا۔ اسی دن اگر وہ سفر کرنا چاہتا ہے تو بیت اللہ کا وداعی طواف کرے گا ورنہ مکہ میں اقامت کے آخر تک اس کو بھی مؤخر کر دے گا تا کہ اس کا بیت اللہ سے آخری عہد طوافِ وداع ہو جائے۔

اور جب سفر کا ارادہ کرے گا تو وداع کا طواف بھی اِفاضہ کی مانند ہی کرے گا جس میں وہ اِضطباع اور رَمل نہیں کرے گا۔ بعد میں طواف کی دو رکعتیں ادا کرے گا اور مسجدِ حرام کے صحن میں کھڑا ہو کر دُعا کرے گا۔ دُعا میں جن الفاظ کے ساتھ جو دل چاہتا ہے مانگ سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور مسجد سے نکلتے وقت کعبے کی جانب پیٹھ اور دروازے کی جانب منہ کر کے واپس ہوگا کیونکہ پچھلے پاؤں مسجد سے نکلنا بدعت اور خلافِ سنت ہے۔

طوافِ وداع کے بعد سفر کے سوا کسی دوسرے کام میں مشغول نہیں ہونا چاہئے اور اس کے بعد اگر وہ بیت اللہ میں آتا ہے تو دوبارہ طوافِ وداع کرے گا تا کہ فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق طوافِ وداع ہی بیت اللہ کے ساتھ اس کا آخری عہد ہو۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

لَا یَنْفِرَنَّ اَحَدٌ حَتّٰی یَکُوْنَ اٰخِرُ عَھْدِہٖ بِالْبَیْت (مسلم:3219)

''طوافِ وداع بیت اللہ سے آخری عہد ہے اس کے بنا کوئی نہیں جائے۔''

طوافِ وداع کی دُعائے ماثور

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ طوافِ وداع میں وہ یہ دُعا کیا کرتے تھے:

اللّٰھم انی عبدک وابن عبدک وابن امتک ، حملتنی علی ما سخرت لی من خلقک ، وسیّرتنی فی بلادک حتی بلغتنی بنعمتک الی بیتک واعنتنی علی ادآء نسکی ، فان کنت رضیت عنی فازدد عنی رضاً ، والا فمن الآن فارض عنی قبل ان تنأی عن بیتک داری ، فھذا أوان انصرافی ان اذنت لی ، غیر مستبدّلٍ بک ولا بیتک ، ولا راغباً عنک ولا عن بیتک ، اللّٰھم فاصحبنی العافیةَ فی بدنی ، والصحةَ فی جسمی ، والعصمةَ فی دینی ، واحسن منقلبی ، وارزقنی طاعتک ما ابقیتنی ، واجمع لی خیری الدنیا والآخرة ، انک عکی کل شیء قدیر .

''یا اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ تو نے سواری پر مجھے قدرت دی اور اس پر سوار کیا، تو نے مجھے اپنے شہر کی سیر کرائی، میں تیرے فضل سے تیرے گھر پہنچا ہوں، تو نے فریضۂ حج ادا کرنے کی مجھے توفیق دی ہے۔ یا اللہ! اگر تو مجھ سے راضی تھا تو مزید مجھ سے خوش ہو جا اور اگر راضی

نہیں تھا تو اب مجھ پر احسان کر اور اس سے پہلے پہلے مجھ سے خوش ہو جا کہ میں تیرے گھر سے اپنے گھر کی جانب واپس جاؤں۔ اگر مجھے اجازت ہو تو یہ میری واپسی کا وقت ہے لیکن مجھے خود سے یا اپنے گھر سے بے رغبت نہ کرنا۔ یا اللہ! میرے بدن کو عافیت، میرے جسم کو صحت اور میرے دین کو عصمت عطا فرما۔ میری واپسی بہتر بنا، مجھے تمام زندگی میں اپنی اطاعت کی توفیق دے اور میرے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی جمع فرما۔ بلاشبہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

مکہ سے نکلتے وقت رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے:

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون ، صدق الله وعده ، ونصر عبده ، وهزم الاحزاب وحده .

''ہم اللہ سے توبہ کرنے والے اس سے معافی مانگنے والے اور اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام افوج کو تنہا ہی شکست سے دوچار کیا''۔

(حاشیہ: امام بخاری نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کسی غزوہ، حج یا عمرہ سے واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ جب کسی بلند جگہ پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور یہ دُعا پڑھتے تھے: **لا اله الا الله وحده لا شريک له له الملک وله الحمد وهو على کل شیء قدير آئبون**۔۔۔ الخ)

طوافِ وداع کی حکمت

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کرتا ہے وہ بیت اللہ کا مہمان خیال کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اجازت سے اس کے گھر میں آ حاضر ہوتا ہے۔ لہٰذا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی زیارت سے مشرف کیا اور تجلیاتِ عرفہ میں حاضری سے نوازا ہے، واپسی کے وقت شکریہ کے ساتھ اس گھر کو اور گھر کے مالک کو الوداع نہ کہنا اس کو زیب نہیں دیتا۔ یہاں سے طوافِ وداع کی تاکید و اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ لہٰذا جس مہمان کو کوئی عذر پیش نہ ہو اسے لازماً وداعی طواف کرنا چاہئے۔

گویا طوافِ وداع میں اللہ تعالی سے واپسی کی اجازت اور اس کو شکریہ کہنے کا فلسفہ پایا جاتا ہے۔ بالکل ایسے ہی بیت اللہ کو بھی نگاہ بھر کے دیکھا جاتا ہے تا کہ دل میں ہمیشہ اس کی یاد تازہ رہے اور آنکھ کے سامنے اس کی تصویر گھومتی رہے۔

سوال وجواب

سوال: خاوند کی اجازت کے بغیر بھی کیا عورت حج کرسکتی ہے؟

جواب: عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر حج نہیں کرسکتی۔ کیونکہ بیہقی اور دار قطنی میں جناب عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ بیوی کے پاس مال موجود ہے لیکن خاوند اس کو حج کی اجازت نہیں دیتا؟ فرمایا:

لَیْسَ لَهَااَنْ تَنْطَلِقَ اِلَّا بِاذْنِ زَوْجِهَا (مجمع الزوائد: 215/ حدیث: 5307)

''خاوند کی اجازت کے بغیر حج کا سفر کرنا بیوی کے لیے جائز نہیں ہے۔''

سوال: کیا عورت کا بار بار حج کرنا مکروہ ہے؟

جواب: جی ہاں! عورت کا بار بار حج کرنا مکروہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوادع کے موقع پر اپنی بیویوں سے کہا: ''یہی ایک حج ہے اس کے بعد گھر میں قیام ہے۔'' (ابوداؤد: 1722) گویا ایک حج کے بعد عورت گھر ہی میں رہے گی اور حج کا سفر نہیں کرے گی۔

سوال: جو شخص حج کے مہینوں سے قبل ہی احرام باندھ لے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: حج کے مہینوں سے قبل احرام باندھنا مکروہ ہے جیسا کہ میقات سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ لہٰذا اسے اپنا یہ حج، عمرہ میں تبدیل کر دینا چاہیۓ۔ اس احرام کے ساتھ وہ حج نہیں کرسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حج کا وقت مقرر کر دیا ہے کہ حج کے معلوم مہینے ہیں۔ البتہ اپنے اس احرام میں اگر وہ حج ہی کا اصرار کرتا ہے تو حج بہر حال منعقد ہو جائے گا۔

سوال: کیا یہ ثابت ہے کہ سلف میں سے کسی نے غسل کے بغیر بھی احرام باندھا ہو؟

جواب: جی ہاں! سعید بن منصور سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے وضو کر کے عمرہ کا احرام باندھا اور غسل نہیں کیا تھا۔

سوال: بلا احرام میقات سے گزر جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: جوشخص میقات سے بلا احرام ہی گزر جائے گا اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہ میقات میں واپس آ جائے یا جس جگہ پہنچ چکا ہے وہیں سے احرام باندھ کر دَم میں ایک بکری ذبح کر دے گا۔ یہ قربانی حج کے اس واجب کی تلافی کر دے گی جس میں خلل واقع ہوا تھا۔

سوال: ایک شخص حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھتا ہے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد اتنا سفر کرتا ہے جس میں نماز قصر ادا کی جاتی ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اب اگر وہ اسی سال کا حج کرتا ہے تو کیا اس پر دَم آئے گا یا نہیں؟ مثلاً ایک یمنی شخص نے حج کے مہینوں میں اپنے میقات پر سے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ ادا کرنے کے بعد زیارت کے لیے وہ مدینہ کو روانہ ہو گیا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں فقہاء کے دو اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے شہر میں واپس نہیں آ جاتا یا اپنے شہر جتنا سفر طے نہیں کرتا، اسی عمرہ کے ساتھ حج کر سکتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب تک وہ اتنا سفر طے نہیں کرتا جس میں نماز قصر کی جاتی ہے، وہ اپنے اس عمرہ کے ساتھ حج ادا کر سکتا ہے لیکن قربانی کا جانور ذبح کرنا اس پر واجب ہے اور سفر کی مسافت اگر اتنی ہو گئی ہے جس میں نماز قصر ادا کی جاتی ہے تب وہ اس عمرہ کے ساتھ اس سال کا حج نہیں کر سکتا ہے۔

ان کی دلیل جناب ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو مؤطا میں روایت کیا گیا ہے کہ

مَنِ اعْتَمَرَ فِیْ اَشْھُرِ الْحَجِّ فِیْ قَبْلَ الْحَجِّ ثُمَّ اَقَامَ بِمَکَّۃَ حَتّٰی یُدْرِکَہُ الْحَجُّ فَھُوَ مُتَمَتِّعٌ اِنْ حَجَّ وَعَلَیْہِ مَاسْتَسْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَۃٍ اِذَارَجَعَ (مؤطا امام مالک:755)

”جس نے حج کے مہینوں میں حج سے قبل عمرہ ادا کیا اور مکہ ہی میں ٹھہرا رہا حتی کہ حج کا وقت آ گیا اگر وہ چاہے تو عمرہ کے ساتھ حج بھی ادا کر سکتا ہے۔ اس حج میں جو میسر ہو وہ قربانی دے گا اور قربانی نہ کرنے کی صورت میں تین روزے حج کے دنوں میں اور سات روزے گھر میں آ کر رکھے گا۔“

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمرہ کے ساتھ حج کا یہ جواز اس صورت میں ہے جب کہ وہ حج تک مکہ ہی میں مقیم رہا اور اس سال کا حج ادا کیا۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فرمان کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ مکہ میں اگر وہ مقیم نہیں رہتا بلکہ آگے پیچھے سفر کر جاتا ہے اور جب تک میقات سے حج کا احرام نہیں باندھتا، مکہ میں واپس نہیں آ سکتا ہے۔ اس صورت میں عمرہ کے ساتھ وہ حج ادا کرے گا اور نہ ہی اس پر حجِ تمتع کی قربانی واجب ہوگی۔

سوال: ایک شخص میقات سے حج یا عمرہ کا احرام باندھتا ہے لیکن بعدازاں اپنا ارادہ تبدیل کر کے بجائے مکہ جانے کے وہ مدینہ کا قصد کرتا ہے اور احرام اتار کر کپڑے پہن لیتا اور سر ڈھانپ دیتا ہے۔ اس میں کیا حکم ہے؟

جواب: ایسے شخص سے کہا جائے گا کہ وہ کپڑے اتار کر دوبارہ احرام باندھے اور احرام میں ممنوع کردہ تمام امور سے باز رہے کیونکہ احرام کی حالت میں بیت اللہ کے طواف کے علاوہ کوئی دوسرا کام جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا حکم یہ ہے کہ فدیہ میں وہ روزے رکھے گا یا کھانا کھلائے گا یا ایک بکری ذبح کرے گا۔ بعض علماء کے نزدیک اس پر ایک نہیں کئی فدیے عائد ہوتے ہیں مثلاً سر ڈھانپنے کا فدیہ، سلا کپڑا پہننے کا فدیہ وغیرہ لیکن دین و شریعت میں آسانی کے لحاظ سے بہتر یہی ہے کہ اس پر کئی فدیے عائد نہ ہوں کیونکہ اس کے خیال میں یہ کام بالکل جائز تھا اور جہل کی بنا پر وہ اس کو احکامِ شریعہ کے خلاف نہیں سمجھتا تھا کیونکہ اسے اگر یہ معلوم ہوتا کہ اس کام سے دین میں خلل اور حج میں نقص واقع ہوتا ہے تو اس کا ارتکاب وہ کبھی نہ کرتا۔ علاوہ ازیں ہمارے پاس اگر اس قسم کے واقعہ اور اس کے حکم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی اثر یا ائمہ دین کا کوئی قول ہوتا تو ہم اس سے قطعاً تجاوز نہ کرتے خواہ اس میں آسانی ہوتی یا مشکل۔ ایک بات کا لحاظ اگرچہ ضروری ہے کہ جہل کی بنیاد پر احرام اتارنے والا شخص اگر اس حال میں بیوی سے جماع کرتا ہے تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا۔ لہٰذا آئندہ سال اس کی قضا کرنا ہوگی اور ساتھ ہی کفارے میں ایک اونٹ بھی ذبح کرنا پڑے گا تاہم اس حجِ فاسد کو مکمل ہونے تک وہ جاری رکھے گا کیونکہ ہر اس شخص کے بارے میں یہی حکم ہے جو دس ذوالحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی سے قبل جماع کر بیٹھتا ہے اور اس رمی کو "تحللِ اصغر" کہتے ہیں۔

سوال: حج کے لیے مکہ جاتے وقت جہاز میں تلبیہ کب پکارا جائے گا؟

جواب: جو شخص جہاز کے ذریعے حج کا سفر کرنا چاہتا ہے جہاز میں سوار ہونے سے پہلے ہی اسے نہانا، خوشبو لگانا اور احرام باندھنا چاہیے۔ اگر وہ مدینہ کے ائیر پورٹ پر ہے تو وہیں دو رکعت احرام کی سنتیں ادا کرے گا اور جہاز میں سوار ہونے کے بعد اور اڑان بھرنے کے ساتھ ہی وہ حج یا عمرہ یا دونوں کا تلبیہ پکارنا شروع کر دے گا کیونکہ اہلِ مدینہ کا میقات ائیر پورٹ کے قریب ہی ہے۔ ائیر پورٹ اگر میقات سے دور ہو تو غسل، خوشبو اور احرام کے بعد جہاز کے عملے سے وہ کہہ دے گا کہ میقات آنے پر مجھے اطلاع کر دی جائے اور جونہی وہ میقات کا اعلان کریں اگر ممکن ہو تو احرام کی دو رکعات ادا کرنے کے ساتھ ہی تلبیہ پکارنا شروع کر دے گا۔

سوال: جو حجاج کرام رابغ یا یمن کی بجائے سمندر کے راستے آئیں احرام کے لیے وہ کون سا میقات منتخب کریں گے؟

جواب: سمندری راستے کے قریب ترین جو میقات ہوگا وہیں سے یہ احرام باندھیں گے اور یہ ہمیشہ کے لیے ان کا عمومی میقات بن جائے گا لیکن ان کے قریب اگر کوئی سا میقات بھی نہ ہو تو مکہ جب دو منزل کے فاصلے پر ہوگا اس وقت احرام باندھیں گے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ : لَمَّا فُتِحَ هَذَانِ الْمِصْرَانِ اَتَوا عُمَرَ رضی اللہ عنہ فَقَالُوا : يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ! اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَدَّ لاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنًا وَهُوَ جَوْرٌ عَنْ طَرِيْقِنَا ، وَاِنَّا اِنْ اَرَدْنَا قَرْنًا شَقَّ عَلَيْنَا . قَالَ : فَانْظُرُوا حَذْوَهَا مِنْ طَرِيْقِكُمْ فَحَدَّ لَهُمْ ذَاتَ عِرْقٍ

(بخاری:1531)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جنابِ عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ روایت کیا ہے کہ اہلِ عراق نے ان کی خدمت میں عرض کیا: یا امیر المومنین! اہلِ نجد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرن منازل کو میقات بنایا ہے جو ہماری راہ سے ذرا ہٹ کر واقع ہے اور وہاں جاتے وقت ہمیں بہت مشکل پیش آتی ہے؟ فرمایا: تم اپنی راہ میں قرن منازل کے برابر کوئی میقات دیکھو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ذاتِ عرق کو ان کا میقات بنا دیا۔

جو مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ لہٰذا سمندری حجاج کرام کے لیے اگر جدہ کو میقات بنا دیا جائے تو مناسب ہوگا لیکن سمندر ہی میں اگر ایک یا دو منزل دور سے وہ احرام باندھیں گے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ واللہ اعلم۔

سوال: کسی ضرورت کے پیشِ نگاہ محرم کے لیے کمر پر پٹکا نما زچیز باندھنا کیا جائز ہے؟ کیا پیسوں کے لیے پرس کی مانند کوئی تھیلی وغیرہ لٹکا سکتا ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں علماء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم مشہور یہی ہے کہ ضرورت کی بنا پر ایسا کرنا جائز ہے اگر چہ بعض علماء نے فدیہ کے ساتھ اس کو جائز کہا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ کپڑے کے نیچے پٹکا وغیرہ پہننے میں محرم کے لیے کوئی حرج نہیں ہے جب کہ اس کے دونوں جانب کے کف کو ایک دوسرے کے ساتھ گانٹھ دیا جائے۔ اگر چہ سعید بن مسیّب کی یہ ذاتی رائے ہے تاہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کے بارے میں جو کچھ میں نے سنا ہے یہ بات مجھے سب سے زیادہ پسند آئی ہے۔ یہاں ایک نکتہ قابلِ غور ہے کہ

ابن مسیّب کی بات سے یہ اشارہ بھی مل رہا ہے کہ کمر پر جو پٹکا بھی باندھا جائے گا وہ جسم سے براہِ راست ملا ہونا چاہئے لیکن اس کو تہبند کے اوپر نہیں باندھا جا سکتا لیکن شریعت میں آسانی کا تقاضا بہر حال یہی ہے کہ ضرورت کے وقت کمر پر پٹکا نما چیز لٹکائی جا سکتی ہے اور اس کو تہبند کے اوپر یا نیچے ہر جگہ باندھا جا سکتا ہے کیونکہ سعید بن منصور نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا جواز نقل کیا ہے۔

سوال: محرم کے لیے گرد وغبار کے پیشِ نگاہ عینک لگانا اور چہرہ ڈھانپنا کیسا ہے؟

جواب: ضرورت ہو تو جائز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو عرج کے مقام پر دیکھا گیا، انہوں نے احرام میں اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ (مؤطا امام مالک: 709)

سوال: کیا محرم اپنے ہاتھ میں انگوٹھی پہن سکتا اور گھڑی باندھ سکتا ہے؟

جواب: اگر ضرورت ہو تو جائز ہے۔ دار قطنی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ محرم انگوٹھی پہن سکتا ہے اور پرس لٹکا سکتا ہے۔

سوال: جس نے احرام نہ باندھا ہو کیا محرم اس کی حجامت بنا سکتا ہے؟

جواب: اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ محرم پر اپنی حجامت کرنا منع ہے کسی دوسرے غیر محرم کی نہیں۔

سوال: کیا احرام کا لباس تبدیل کرنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! یہ جائز ہے۔ سعید بن منصور سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احرام کا کپڑا تبدیل کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سلف میں سے بھی کئی حضرات نے اپنا احرام تبدیل کیا ہے۔

سوال: کیا محرم اپنے جسم اور سر کو مَل سکتا ہے؟

جواب: جی! یہ بالکل جائز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں روایت کیا ہے:

سَمِعْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ تُسْأَلُ عَنِ الْمُحْرِمِ اَيَحُكُّ جَسَدَهُ فَقَالَتْ نَعَم فَلْيَحْكُكْهُ وَلْيَشْدُدْ. (مؤطا امام مالک: 783)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: کیا محرم اپنا جسم مَل سکتا ہے؟ فرمایا: بالکل وہ اپنا جسم اچھی طرح سے مَل سکتا ہے۔

سوال: کیا محرم دوا استعمال کرسکتا ہے؟

جواب: جی! دوا کا استعمال محرم کے لیے جائز ہے۔ شیخین نے روایت کیا ہے:

احْتَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِلَحْيِ جَمَلٍ فِي وَسَطِ رَاسِهِ (بخاری:1836)

''مکہ جاتے وقت رسول اللہ ﷺ نے احرام میں سینگی لگوائی۔''

(حاشیہ: سینگی ایک قدیم طریقۂ علاج ہے جس میں جسم کے متاثرہ حصے سے خون نکالا جاتا ہے اور آلے کی مدد سے خون کو معالج اپنے منہ میں کھینچ لاتا ہے گویا سینگی جسم سے خراب یا زائد خون کے نکاس کا ذریعہ تھی۔ مترجم)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما احرام میں جب آشوبِ چشم کا شکار ہو جاتے تو آنکھوں کے قطرے استعمال کیا کرتے تھے۔

سوال: کیا سر دِکھانا اور جوئیں نکلوانا محرم کے لیے ناجائز ہے؟

جواب: یہ مکروہ ہے۔ سعید رحمۃ اللہ علیہ، سالم رحمۃ اللہ علیہ اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی کراہت منقول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو محرم اپنا سر دِکھاتا یا جوئیں نکلواتا، ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اسے صدقہ کرنے کا حکم دیتے تھے۔

سوال: مکہ کا رہائشی حج کا تلبیہ کب پکارے گا؟

جواب: آٹھ ذوالحجہ کو منیٰ کی جانب نکلتے وقت تلبیہ پکار سکتا ہے اور اگر چاہتا ہے تو اس سے پہلے بھی تلبیہ پکار سکتا ہے مگر حج کا مہینہ شروع ہونے کے بعد ہی پکارے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ میں حج کا چاند دیکھتے ہی تلبیہ پکارنا شروع کر دیتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے اور طواف وسعی کو عرفہ سے واپسی تک مؤخر دیتے تھے۔

سوال: ایک شخص میقات سے باہر رہتا ہے، اس کی نیابت میں مکہ کا رہائشی حج کرتا ہے اور مکہ ہی سے احرام باندھتا ہے اور مکی نے اُس کے میقات سے احرام نہیں باندھا ہے، کیا اس پر فدیہ کا جانور ذبح کرنا واجب ہوگا؟

جواب: اس حج کو حجِ بدل کہا جاتا ہے۔ شریعت کی رُو سے حجِ بدل ادا کیا جا سکتا ہے لیکن مذکورہ صورت میں چونکہ اس کے میقات سے احرام نہیں باندھا گیا جس کی جانب سے حج کیا جا رہا ہے، لہٰذا یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے میقات سے گزر

جانے کے بعد احرام باندھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس پر ایک بکری ذبح کرنا واجب ہے۔

سوال: اگر دس ذوالحجہ سے قبل ہی قربانی کا جانور ذبح کر دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس کا حکم یہ ہے کہ اس نے سنتِ رسول ﷺ کی خلاف ورزی کی ہے کیونکہ دس ذوالحجہ کو منیٰ میں قربانی کرنا سنت ہے مگر بھول یا جہل یا عجز جیسے عذر کی صورت میں یہ قربانی کافی خیال کی جائے گی۔ حدیث میں ہے کہ حج میں کسی کام کے مقدم یا مؤخر ہونے کے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا جاتا تو فرماتے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: جانور ذبح کرنے کا وقت کون سا ہے؟

جواب: قربانی کے تین دن ہیں لہٰذا دس، گیارہ اور بارہ ذوالحجہ میں سے کسی بھی دن قربانی کی جا سکتی ہے۔ جو شخص قربانی کے تین دنوں میں جانور ذبح نہ کر سکے وہ بعد ازاں مکہ میں قضائی کے طور پر ذبح کر سکتا ہے۔ تاہم احناف کے نزدیک اس پر مزید ایک جانور کی قربانی واجب ہے کیونکہ ذبح کے تین دن سے اس نے تاخیر کر دی ہے۔

سوال: قربانی کے جانور کی عمر کیا ہونی چاہئے؟

جواب: اونٹ کم از کم پانچ سال کا ہونا چاہئے، گائے دو سال سے بڑی ہونی چاہئے، بکرا پورے سال کا ہونا چاہئے اور مینڈھا ایک سال کے لگ بھگ ہونا چاہئے۔

سوال: جو شخص ایک جانب سے سر کے چند بال کٹوا دیتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس نے ہدایتِ رسول ﷺ کی خلاف ورزی کی ہے لہٰذا چند بال کٹوانا کافی نہیں ہے بلکہ اس کو تمام سر کے بال کٹوانا چاہئے یا مکمل گنج کروانا چاہئے۔ حج میں گنج کرانا افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دُعا فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ! قَالَ : ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْن قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ ؟ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ وَالْمُقَصِّرِيْنَ . (مسلم:3145)

''یا اللہ! ان پر رحم کر جو حج میں گنج کراتے ہیں تین مرتبہ یہی دعا کی اور چوتھی دفعہ فرمایا: یا اللہ! ان پر بھی رحم کر جو حج میں بال کٹواتے ہیں۔''

عمرہ میں بال کٹوانا بعض کے نزدیک افضل ہے تا کہ حج کے دوران میں سر پر بال باقی رہیں جنہیں بعد میں منڈوایا جا سکے۔

سوال: جو شخص زوال کے بعد عرفات میں پہنچتا اور غروب سے قبل ہی نکل آتا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اس نے واجب ترک کیا ہے لہٰذا یہ ایک جانور ذبح کرے گا لیکن مالکیہ کے نزدیک اس کا حج فاسد ہوگیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں غروبِ آفتاب کے بعد کچھ دیر عرفات میں ٹھہرنا وقوفِ عرفہ کا رکن ہے اور رکن رہ جائے گا تو حج فاسد ہو جائے گا جب کہ غروبِ آفتاب سے پہلے عرفہ میں وقوف کرنا مالکیہ کے نزدیک واجب ہے اور واجب اگر رہ جائے گا تو ایک جانور کے خون سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ ایک شخص زوال سے قبل ہی کچھ دیر تک عرفات میں آتا ہے لیکن بعد میں دن یا رات کو دوبارہ وہاں نہیں جاتا تو کیا دَم واجب ہونے کے باوجود اس کا حج صحیح ہوگا یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک اس کا حج فاسد ہو جائے گا لیکن رات کو اگر وہ عرفات میں وقوف کرتا ہے تو اس کا حج صحیح ہے اور دَم واجب نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''جس نے رات کو بھی عرفات کا وقوف کیا اس نے حج ادا کیا۔''

گویا آپ ﷺ نے اس کے حج کو صحیح کہا اور اس پر دمَ واجب نہیں کیا ہے۔

سوال: جو شخص رات کو مزدلفہ سے گزرتا ہے اور کنکریاں جمع کرنے کی چند ساعتوں کے علاوہ بالکل ہی وہاں نہیں ٹھہرتا ہے اس کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

جواب: اس نے حج کا واجب ترک کیا ہے لہٰذا اس پر دَم آئے گا۔ یاد رہے کہ یہ اس شخص کا حکم ہے جس نے وہاں قیام کیا اور نہ ہی پڑاؤ ڈالا لیکن جو شخص اپنی سواری سے اتر کر مغرب اور عشاء کی نماز جمع کرتا ہے اور کسی عذر کی بنا پر وہاں سے جلد ہی نکل آتا ہے اس پر کوئی دَم نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے معذور افراد کو رخصت دی ہے کہ وہ طلوعِ فجر سے قبل رات ہی کو مزدلفہ سے نکل سکتے ہیں۔

عَنْ عَآئِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّهَا قَالَتْ : اِسْتَاذَنَتْ سَوْدَةُ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ تَدْفَعُ قَبْلَهُ ، وَقَبْلَ حَطْمَةِ النَّاسِ وَكَانَتِ امْرَاَةً ثَبِطَةً (مسلم:3118)

شیخین نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا ایک بھاری عورت تھیں۔ چنانچہ انہوں نے رات ہی کو مزدلفہ سے واپس جانے کی اجازت چاہی اور آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔

ایک بڑی جماعت نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ:

بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِی الثَّقَلِ اَوْ قَالَ فِی الضَّعَفَةِ مِنْ جَمْعٍ بِلَیْلٍ (مسلم:3126)

''میں بھی ان افراد میں شامل تھا جنہیں رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی رات اپنی اہلیہ کی کمزوری کی وجہ سے ان کے ساتھ آگے بھیجا تھا۔''

اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ کَانَ یُقَدِّمُ ضَعَفَةَ اَهْلِهٖ فَیَقِفُوْنَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بِالْمُزْدَلِفَةِ بِالَّیْلِ. (مسلم:3130)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کمزور افراد کو رات کے وقت ہی مزدلفہ سے نکلنے کی اجازت دی ہے۔ امام احمد نے اس کو روایت کیا ہے۔

سوال: قربانی کے دن جو شخص جمرۂ عقبہ کو کنکریاں نہیں مارتا اور سر منڈوا کر طواف بھی کر بیٹھتا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یہ کنکریاں وہ کب مارے گا؟ سہ پہر کو یا رات کے وقت یا آئندہ کل! اور اس پر کیا واجب ہوگا؟

جواب: اس کا حکم یہ ہے کہ سہ پہر کو یا رات کو یا آئندہ کل، جب بھی ممکن ہو وہ کنکریاں مارے گا اور اگر وہ بھول گیا تھا یا جانتا نہیں تھا تو اس پر کوئی چیز عائد نہیں ہوتی لیکن ان میں سے اگر کوئی بات بھی نہیں تھی تو بروقت کنکر نہ مارنے کی وجہ سے اس پر دَم آئے گا۔

رسول اللہ ﷺ سے جب رَمی، حَلق اور طواف کی تقدیم و تاخیر سے متعلق دریافت کیا جاتا، آپ ﷺ فرماتے تھے: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (نسائی:3069)

کیونکہ سائلین اپنے اس کام کے بارے میں کہتے تھے کہ: ''مجھے معلوم نہیں ہوسکا، میں بھول گیا تھا'' لہٰذا شریعتِ اسلامیہ کا یہ حسن ہے کہ اس میں بھلکڑ، جاہل یا معذور سے مؤاخذہ نہیں کیا جاتا لیکن نفسانی خواہشات کی بنیاد پر جو شخص پختہ عزم کے ساتھ کوئی کام کرتا ہے، اس پر سزا عائد کی جاتی ہے جو تزکیۂ نفس کا ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ سزا ایک بکری کا ذبح کرنا ہے اور بکری اگر میسر نہ آئے تو اس کے عوض میں دس دن کے روزے رکھنا ہے۔

سوال: جو شخص چھ کے بعد کنکریوں کی گنتی شمار نہیں کرتا اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔

قَالَ سَعْدٌ : رَجَعْنَا فِي الْحَجَّةِ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَبَعْضُنَا يَقُوْلُ رَمَيْتُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ وَبَعْضُنَا يَقُوْلُ رَمَيْتُ بِسِتٍّ ، فَلَمْ يَعِبْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (نسائی:3079)

امام نسائی اور سعید بن منصور نے سعید بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ''ہم حج کر کے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں واپس آ رہے تھے۔ ہم میں سے کوئی کہتا تھا کہ میں نے چھ کنکر مارے ہیں اور کوئی کہتا تھا کہ میں نے سات کنکر مارے ہیں لیکن ہم ایک دوسرے کو الزام نہیں دیتے تھے۔''

سوال: جو شخص ایامِ تشریق کو منیٰ میں رات نہیں گزارتا اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی ایسا عذر لاحق ہے جس کی وجہ سے منیٰ کے باہر رات گزارنا اس کی مجبوری ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان معذور افراد کو رخصت دی ہے جو جانور چراتے یا پانی پلاتے ہیں لیکن کوئی شرعی عذر اگر اس کو درپیش نہ ہو بلکہ محض ہوائے نفس کی بنا پر منیٰ کے بجائے مکہ یا جدہ میں رات گزارتا ہے تو یہ ایک حرام فعل ہے اور اس پر گناہ کے علاوہ دَم بھی واجب ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک اس پر صدقہ کرنا واجب ہے، جانور ذبح کرنا واجب نہیں ہے لیکن یہ قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔

سوال: کیا بچہ، مریض اور عاجز کی جانب سے کنکریاں ماری جا سکتی ہے؟ اور کیا اس کے بعد ان پر دَم آئے گا؟

جواب: بچے کی جانب سے کنکریاں ماری جائیں گی اور اس میں دَم نہیں آئے گا۔ مریض اور عاجز کی جانب سے بھی کنکریاں ماری جائیں گی مگر ان پر دَم آئے گا۔ مؤطا میں یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا: بچے اور مریض کی نیابت میں کنکریاں ماری جا سکتی ہیں؟ جواب دیا: ہاں! مریض کی جانب سے کنکریاں ماری جا سکتی ہیں مگر وہ اپنی جگہ سے رَمی کے وقت تکبیر کہے گا اور فدیہ میں ایک جانور کی قربانی دے گا۔ مریض ایامِ تشریق ہی میں اگر روبہ صحت ہو جائے گا تو دوبارہ خود سے کنکریاں مارے گا۔ اس صورت میں بھی ایک جانور کی قربانی اس پر واجب ہو گی۔

یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جو ائمۂ اربعہ میں عظیم مقام رکھتے ہیں۔ رَمی جیسے عبادت کے مسائل میں اس کے مطابق عمل کیا جائے گا جب تک کہ سنتِ رسول ﷺ یا عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ مریض یا عاجز کی نیابت میں جب کنکریاں ماردی جائیں تو رَمی کا حکم ان سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں اگر کوئی صحیح روایت میسر آ جائے جو نصِ صریح کا درجہ رکھتی ہو تو اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا کیونکہ فرمانِ الٰہی یا حدیثِ رسول ﷺ یا سنتِ خلفائے راشدین سے بہر حال تجاوز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

سوال: ایامِ تشریق میں غروبِ آفتاب کے بعد شیطان کو کنکریاں مارنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر وہ بھول گیا ہے یا علم نہیں رکھتا تھا یا بیماری میں قاصر تھا تو رات کو کنکریاں مار سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن بلا وجہ ہی اس نے اگر رَمی کو مقررہ وقت سے مؤخر کیا ہے تو اس کو ایک جانور فدیہ میں ذبح کرنا ہوگا۔

(حاشیہ: دین میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے ورنہ سخت رش کے حالات میں رات تک رَمی کو مؤخر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے خصوصاً عورتوں کو ایسے اژدحام میں بہت مشکل پیش آتی ہے۔)

رَمی کا وقت زوالِ شمس سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے۔

یہاں ایک اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص رات تک رَمی کو مؤخر کرتا ہے حنفی فقہاء اس پر دَم واجب نہیں کرتے حتی کہ ایامِ تشریق کے آخر تک بھی تمام رَمی کو مؤخر کرنے پر وہ دَم کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک منیٰ سے باہر رات گزارنے پر بھی دَم واجب نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ ان دو مسائل میں غیر معذور افراد پر جانور ذبح کرنا آپ کے نزدیک واجب کیوں ہے؟ اور اس میں آپ کا مؤقف کیا ہے؟ اس پر مستزاد یہ ہے کہ انہی دو مسائل میں جو شخص بھول جاتا ہے آپ اس پر دَم واجب نہیں کرتے جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خیال میں اس پر دَم واجب ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ جو قربانی کے کسی نسک کو چھوڑ دیتا ہے یا بھول جاتا ہے وہ فدیہ میں جانور ذبح کرے گا؟

میں اس اعتراض کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ ان دو مسائل میں بعض علماء کے نزدیک دَم واجب ہوتا ہے، بعض کے نزدیک دَم واجب نہیں ہوتا۔ گویا فریقین کی آراء تمام تر اجتہاد و قیاس پر مبنی ہیں اور آیتِ کریمہ یا حدیثِ مبارکہ جیسی نصِ صریح پر اس اختلاف کی بنیاد نہیں ہے۔ حج و عمرہ کی عظیم عبادت کے جو احکام مسلمان بھائیوں کے لیے میں بیان کر رہا ہوں، آپ نے حق کی تلاش و جستجو میں مجھ سے مطالبہ کیا ہے لہٰذا میرا فرض بنتا ہے کہ جس بات کو میں حق خیال کرتا اور جس کے صحیح ہونے پر یقین رکھتا ہو، وہ آپ کے سامنے بیان کر دوں اور مسلمانوں کی عظیم اکثریت کے ہاں جن مسالک کا احترام پایا جاتا ہے میں ان میں سے کسی مسلک کی موافقت یا مخالفت پیشِ نگاہ نہ رکھوں۔ لہٰذا آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میرا مؤقف درج ذیل بنیادوں پر مبنی ہے:

1: میرا عقیدہ یہ ہے کہ عبادت میں خواہ کسی کام کے کرنے سے تعلق رکھتی ہو یا کسی کام کے چھوڑنے سے تعلق رکھتی ہو، جب تک اس پر اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں ہوگا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے یعنی اس سے نہ نفس کا تزکیہ ہوگا اور نہ روح پاکیزہ ہوگی۔ چنانچہ ایسی عبادت کے بجالانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔

2: میرا ایمان یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ ورسول کی نافرمانی کے علاوہ کسی تیسرے کی خلاف ورزی کرنے پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

3: میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں کسی قسم کی تنگی یا تکلیف نہیں پائی جاتی ہے اوراس کے ہر حکم میں انسان کے جسم وروح کی اصلاح کا مقصد پیشِ نگاہ رکھا گیا ہے کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (المائدہ:6)

''اللہ تعالیٰ یہ ارادہ نہیں رکھتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے لیکن وہ ارادہ رکھتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اورتا کہ تم پر اپنی نعمت پوری کردے تا کہ تم شکرگزار بنو۔''

فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ (بخاری:39)

''بلاشبہ اسلام ایک آسان دین ہے۔''

4: میرا یہ بھی ایمان ہے کہ کسی شخص کی بات یا رائے کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد یا رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے مقدم کرنا حرام ہے کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔(الحجرات:1)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو۔''

ان مذکورہ بنیادوں کی رُو سے میرا طریقۂ تحقیق یہ ہے کہ میں ہر کام کے لیے قرآنِ حکیم یا صحیح حدیث کو تلاش کرتا ہوں لیکن کتاب وسنت سے اگر مجھے کوئی دلیل نہ مل پائے تو صحابہ وتابعین کی آراء یا ائمہ وفقہاء کے فتاوٰی میں سے اس کو میں ترجیح دیتا ہوں جو میرے نزدیک دینِ الٰہی اور شریعتِ نبوی ﷺ کی روح کے قریب ترین ہوتا ہے۔ تاہم اس وقت شریعتِ اسلامیہ کا جو عمومی مقصد میرے پیش نگاہ رہتا ہے وہ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ روح ہے تا کہ اس کے ذریعے سے انسان کو دنیا وآخرت کی سعادت وکامرانی کے لیے تیار کیا جا سکے کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس:10.9)

''یقیناً وہ کامیاب ہوگیا جس نے اس کو پاک کیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اس کو آلودہ کیا''۔''

میں آپ کو اس کی ایک مثال دیتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں نے بعض مسائل میں دیگر مسالک کے مفتیانِ کرام سے مختلف نکتۂ نگاہ کیوں اختیار کیا ہے گویا اس کا قائل میں ہی ہوں اور وہ مؤقف میرے ساتھ ہی خاص ہے۔ مثلاً شیطان کو کنکریاں مارنے کا وقت زوالِ شمس تا غروبِ آفتاب تک کا ہے اور جو شخص رَمی کو اس کے مقررہ وقت سے مؤخر کرتا ہے اس کے بارے میں بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ رات کو یا صبح کو رَمی کی قضا کرے گا اور اس پر دَم واجب ہوگا، جب کہ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ رَمی کی تاخیر میں اس پر کوئی دَم واجب نہیں ہوگا اور اپنے اپنے مؤقف کی تائید کے لیے ان میں سے کسی گروہ کے پاس بھی قرآن وسنت کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے۔ لہٰذا میں عرض کرتا ہوں کہ فریقین میں سے کسی کے پاس بھی جب فرمانِ الٰہی یا ارشادِ نبوی ﷺ کی دلیل نہیں ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ قیامت کے دن ہم سے اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت ومعصیت کے علاوہ کسی تیسرے کی اطاعت ومعصیت کے بارے میں جواب طلبی نہیں ہوگی اور ہم یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ عبادت کا تعلق خواہ نماز جیسے کرنے کے کام سے ہو یا زِنا اور شراب جیسے چھوڑنے کے کام سے، اگر اس پر اللہ ورسول ﷺ کا حکم نہ ہوگا وہ اپنے اندر تزکیۂ نفس کی تاثیر نہیں رکھتی ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ عبادت کا مقصد نفس کا تزکیہ اور روح کی اصلاح ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ میں کسی قسم کی تنگی نہیں پائی جاتی ہے لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ جو شخص بلا عذر کے کنکریاں مؤخر کرتا ہے اس پر دَم واجب ہے۔ اس مسئلہ میں ہمارا یہ مؤقف درج ذیل نکات پر مبنی ہے:

1: ائمۂ کرام میں سے امام مالک رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے۔ وہ بھی بلا عذر تاخیر پر دَم کو واجب کرتے ہیں۔

2: جو شخص بلا عذر کے رَمی میں تاخیر کرتا ہے اور خواہشِ نفس یا اتباعِ ہویٰ کی بنا پر اس وقت میں کنکریاں نہیں مارتا جو صاحبِ شریعت نے مقرر کیا ہے تو ایسا شخص مجرم خیال کیا جائے گا جس کی اصلاح کی بہر حال ضرورت ہے اور بکری قربان کرنے کے سوا ہم نہیں سمجھتے کہ نفس کی اصلاح ممکن بھی ہے کیونکہ یہی وہ صدقہ ہے جس کو پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اس قسم کی خطاؤں کے لیے مقرر کیا ہے جس سے ہمیں یہ سمجھ آتی ہے کہ اس نوعیت کا کفارہ ہی نفس سے گناہ کے اثرات زائل کر سکتا ہے۔ لہٰذا ہم نے بھی اصلاحِ نفس کے لیے فدیہ میں جانور قربان کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جس آدمی کو جہل، نسیان یا مرض جیسا عذر پیش آ گیا ہو، تاخیر کی صورت میں اس پر بھی فدیہ کا جانور ذبح کرنا واجب ہے کیونکہ:

i۔ایک مکتبۂ فکر کے نزدیک بھی عذر کی صورت میں اس پر دَم واجب نہیں ہوتا۔

ii۔عبادت کا مقصد جب تطہیرِ نفس ہے تو یہ صاحب مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ اس کو بجالائے ہیں چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس انداز میں وقتِ مقررہ کے بعد ادا کرنے سے بھی تزکیہ کا ہدف فوت نہیں ہوا ہے۔

iii۔اکثر عبادات میں شریعتِ اسلامیہ کا اصول یہ ہے کہ جس کسی سے بلاارادہ کوئی کام سرزد ہوجاتا ہے، اس سے تکلیفِ شرعی کو ختم کر دیا جاتا ہے مثلاً مریض آدمی یا بھول جانے والا شخص وغیرہ۔

iv۔جب معصیت کا ایسا کوئی کام سرزَد ہی نہیں ہوا جس سے نفس پراگندہ ہوجاتا ہے تو کفارہ کا مطالبہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور جب کوئی گناہ ہے ہی نہیں تو کفارہ کس شے کا ازالہ کرے گا؟ مثلاً سنتِ رسول ﷺ سے اعراض نہیں کیا گیا، کنکر مارنے میں کوتاہی نہیں دکھائی گئی، ہوائے نفس کو اس پر ترجیح نہیں دی گئی بلکہ اس تاخیر کا باعث دراصل انسان کا فطری عجز ہے ورنہ جاہل کو اگر معلوم ہوجاتا یا بھلکڑ کو اگر یاد آجاتا یا مریض اگر روبہ صحت ہوجاتا یا رکاوٹ اگر ختم ہوجاتی تو وہ رَمی کو مقررہ وقت سے قطعاً مؤخر نہ کرتا۔اس پر مستزاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اگر دَم کے وجوب یا عدم وجوب کا حکم دیا ہوتا تو اس کے سوا ہم کوئی گنجائش پاتے اور نہ ہی اس پر کسی کو ترجیح دیتے۔واللہ اعلم۔

جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے کہ جو شخص ان دو مسائل میں بھول جاتا ہے میں اس پر دَم واجب نہیں کرتا ہوں جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس پر دَم واجب کیا ہے؟

اس کے جواب میں پہلی بات یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول اگر صحیح ثابت ہو بھی تو قیامت کے دن ہم اس کی خلاف ورزی پر جواب دہ نہیں ہوں گے کیونکہ یہ اللہ تعالی کا فرمان ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کا فرمودہ اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کا یہ قول مناسکِ حج میں ہر قسم کی بھول پر صادق نہیں آئے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: میں بھول کر کنکریاں مارنے سے پہلے طواف کر بیٹھا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی بات نہیں ہے۔تم اب کنکریاں مارو۔چنانچہ جو شخص بھول کر رَمی میں تاخیر کر بیٹھتا ہے اور وقت گزرنے کے بعد کنکریاں مارتا ہے ہم اس کے بارے میں یہ کیوں نہ کہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی بھول کی تاخیر میں یہی فرمایا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ وہ رَمی کرنا بھی بھول گیا اور بعد میں بھی کنکر نہ مار پایا، اس پر دَم ہو گا۔ان کے قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ رَمی کرنا بھول گیا اور بعد میں جب یاد آیا تو مکمل اطاعت گزاری اور فرماں

برداری سے شیطان کو کنکریاں ماردیں تو اس پر بھی دَم ہوگا۔علاوہ ازیں کفارہ میں جانور کا خون بہانا تزکیۂ نفس کے لیے ہوتا ہے یا فدیہ میں دَم اضافۂ طہارت کے لیے دیا جاتا ہے اور جو شخص بھول جاتا ہے اس نے گناہ کا کام تو کیا ہی نہیں بلکہ عبادت وہ ایسی بجالایا ہے جس سے تزکیۂ نفس میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ تزکیۂ نفس کے لیے مزید کوئی حکم دینے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

یہاں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ بسا اوقات میں بعض مذاہب سے اختلاف کیسے کرتا ہوں؟ اور ان کے مجموعی حکم میں تطبیق کیسے دیتا ہوں؟ حتیٰ کہ معلوم ہوتا ہے یہ کوئی خاص مذہب ہے حالانکہ اس سب کچھ سے میرا مقصد صرف اور صرف یہ ہوتا ہے کہ ایسی درست رہنمائی فراہم کی جاسکے جس سے شریعتِ اسلامیہ کی ناموس کا تحفظ ہوتا اور اس میں آسانی کا پہلو برقرار رہتا ہوتا کہ نفس پرست لوگ اس پر انگشت نمائی کی جرأت نہ کرسکیں۔ میری توفیق اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ ہے، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں۔

سوال: کیا فجر سے قبل جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنا جائز ہے اور کیا رات تک اس میں تاخیر کی جاسکتی ہے؟

جواب: جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کا پسندیدہ وقت طلوعِ شمس سے لے کر زوالِ آفتاب تک کا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے کنکریاں ماری ہیں البتہ معذور افراد طلوعِ فجر سے قبل بھی کنکریاں مار سکتے ہیں۔

> ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نحر کی رات ہی کنکر مارنے کی اجازت دی تھی لہٰذا انہوں نے طلوعِ فجر سے قبل ہی جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں اور چل کر طوافِ افاضہ کیا۔ (ابوداوَد:1942)

طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ آفتاب تک اور زوالِ آفتاب سے لے کر غروبِ شمس تک کے دو اوقات میں عذر ہو یا نہ ہو، بلا کراہت کنکریاں ماری جاسکتی ہیں۔اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن سورج غروب ہو چکا ہو اور ایک شخص نے ابھی تک کنکریاں نہ ماری ہوں، اس کے بارے میں اختلاف ہے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ رات کو کنکریاں مار سکتا ہے اور اس پر دَم واجب ہوگا۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ رات کو کنکریاں مار سکتا ہے مگر اس پر دَم واجب نہیں ہے۔یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔تاہم ان کا خیال یہ ہے کہ رات کو کنکر مارنے کی بجائے صبح تک مؤخر کرنا بہتر ہے۔میرے نزدیک رات تک رَمی کی تاخیر میں اگر کوئی عذرِ

شرعی لاحق ہے تو عذر کے ختم ہونے پر رات یا دن میں کسی وقت بھی وہ کنکریاں مار سکتا ہے۔ اس کے سر کوئی گناہ بھی نہیں ہے اور اس پر دَم بھی واجب نہیں ہے مگر جو شخص رَمی کو اتباعِ ہویٰ کی وجہ سے مؤخر کرتا اور اس محترم دینی فریضے سے عدم توجہی برتتا ہے، جس حالت میں جتنا جلدی ممکن ہو اسے کنکریاں مارنی چاہئیں۔ البتہ تزکیۂ نفس اور کفارۂ گناہ کے لیے اس پر ایک جانور قربان کرنا واجب ہے کیونکہ اس نے ایک عظیم شعیرہ کی توہین کی ہے جس کی تعظیم کرنا قلب کا تقویٰ اور جس کی تحقیر کرنا دل کا گناہ ہے۔

سوال: جو شخص دوسرے دن واپس جانے کا ارادہ رکھتا ہے، کنکریاں مار کر وہ تیاری میں مشغول ہو جاتا ہے مگر سامان باندھنے یا جہاز کا انتظار کرنے میں سورج غروب ہو جاتا ہے، اس میں کیا شرعی حکم ہے؟

جواب: اگر وہ چاہتا ہے تو منیٰ میں رات گزار سکتا ہے اور تیسرے دن کی کنکریاں مار کر نکل سکتا ہے۔ سامانِ سفر یا اسبابِ قیام کی وجہ سے منیٰ میں رکنا اگر دشوار ہو تو وہ رات کو بھی نکل سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ مروی ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ جنابِ عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے تھی۔

سوال: جو شخص ایامِ تشریق کے بعد طوافِ افاضہ کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: وہ بعد میں بھی طواف کر سکتا ہے۔ اس دوران میں اس نے اگر بیوی سے ہم بستری نہیں کی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور وہ بیوی سے اگر صحبت کر چکا ہے تو اس پر طواف کے ساتھ ساتھ کفارہ میں ایک جانور ذبح کرنا اور ایک عمرہ ادا کرنا بھی ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ وَقَعَ بِاَهْلِهِ وَهُوَ بِمِنًى قَبْلَ اَنْ يُّفِيضَ فَاَمَرَهُ اَنْ يَنْحَرَ بَدَنَةً (مؤطا امام مالک:853)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو طوافِ افاضہ سے قبل ہی منیٰ میں اپنی زوجہ سے جماع کر بیٹھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ عمرہ بھی ادا کرے گا اور جانور بھی ذبح کرے گا۔'' (مؤطا امام مالک:854)

سوال: جو شخص کسی عذرِ شرعی کی بنا پر پہلے اور دوسرے دن میں کنکریاں مارنا اور منیٰ میں رات گزارنا چھوڑ دیتا ہے اور تیسرے دن میں گزشتہ دو ایام کی کنکریاں بھی مارتا ہے، اس کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے؟

جواب: تیسرے دن میں قضا کی کنکریاں مارنا درست ہے۔ چونکہ اس تاخیر کا سبب ایک معقول عذر ہے لہٰذا اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ بالکل ایسے ہی عذر کی بنا پر منیٰ میں رات نہ گزارنے پر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: ایک شخص ایامِ منیٰ میں بیمار ہو جاتا ہے حتی کہ اس کو اسپتال میں داخل کرنا پڑتا ہے اب وہ شیاطین کو کنکریاں مار سکا ہے اور نہ ہی منیٰ میں رات گزار پایا ہے، اس کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے؟

جواب: عذر کی بنا پر منیٰ میں رات نہ گزارنا اس پر سے ساقط ہے کیونکہ جو لوگ جانور چراتے یا پانی پلاتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں رات نہ گزارنے کی انہیں رخصت دے رکھی ہے البتہ کنکریاں مارنا اس سے ساقط نہیں ہوگا اور ایامِ تشریق کے اندر اندر اگر وہ ان کی قضا نہیں کرے گا تو اس پر دَم واجب ہوگا تاہم کوئی دوسرا شخص اگر مریض کی جانب سے کنکریاں مار دیتا ہے تو اس میں جانور کی قربانی واجب نہیں ہوگی۔

سوال: جس آدمی پر دَم واجب ہوتا ہے مگر وہ حرم میں دَم ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو کیا وہ اپنے گھر میں واپس آ کر دَم کا جانور ذبح کر سکتا ہے حالانکہ اس کا گھر بھی پاکستان یا سپین جیسے دور دراز علاقے میں ہے؟

جواب: جو جانور ذبح کرنا اس پر واجب کیا گیا ہے اس میں تفصیل ہے: وہ اگر حجِ تمتع کا ہے یا حجِ قران کا ہے یا کسی منسک کی قضا کا ہے یا شکار کے بدل کا ہے تو ایسا جانور مکہ کے علاوہ بھی کہیں ذبح نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا وہ خود یا اس کا نائب مکہ میں آ کر ہی یہ جانور ذبح کرے گا لیکن کسی اور وجہ سے اگر جانور واجب کیا گیا ہے مثلاً کسی رکن کا واجب رہ گیا تھا یا ممنوع کام کا ارتکاب ہو گیا تھا یا وہ جانور فدیہ میں واجب کیا گیا تھا تو ایسا جانور صدقے اور روزے کی مانند کسی جگہ پر بھی قربان کیا جا سکتا ہے۔

سوال: حجِ تمتع میں ایک شخص قربانی نہ کر سکنے کی وجہ سے روزہ رکھنے کا عزم کرتا ہے لیکن ایامِ حج گزر جاتے ہیں مگر وہ روزہ نہیں رکھتا اور اپنے گھر پہنچ جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اپنے گھر میں پورے دس روزے رکھنا اس شخص پر واجب ہے۔ روزوں میں تاخیر اگر مرض جیسے کسی عذر کی بنا پر ہوئی ہے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے لیکن سہل پسندی اور کسل مندی اگر اس تاخیر کی وجہ بنی ہے تو روزوں کے ساتھ ساتھ ایک جانور ذبح کرنا بھی اس پر واجب ہے۔

سوال: جس شخص کو حجِ تمتع میں قربانی کا جانور دستیاب نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ روزے کی استطاعت رکھتا ہے اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: ان میں سے ایک چیز اس کے ذمے باقی رہے گی۔ اگر اس کو جانور فراہم ہو جائے گا، وہ اس کی قربانی دے گا اور قربانی سے اگر وہ قاصر ہے تو جب اس کو قدرت حاصل ہو جائے گی، وہ دس روزے رکھے گا۔

سوال: حجِ افراد کرنے والا شخص کیا عمرہ بھی ادا کر سکتا ہے؟

جواب: جمہور علماء کے نزدیک یہ جائز ہے، تاہم بعض علماء کے نزدیک اس پر دَم بھی واجب ہوگا کیونکہ اس نے ذوالحجہ میں عمرہ کیا ہے جو حج کا مہینہ ہے جس سے حجِ تمتع کا شبہ پیدا ہوتا ہے لہٰذا ان کے خیال میں اس پر دَم واجب ہے۔ یہ بات بہر حال معلوم ہونی چاہئے کہ حج کے بعد عمرہ کرنا ہمارے اَسلاف میں مشہور نہیں تھا اور بہت کم لوگ ایسا کرتے تھے بلکہ ان کی اکثریت تمتع یا قران میں حج سے قبل ہی عمرہ ادا کرتی تھی یا وہ حج کے مہینوں کے علاوہ کسی اور وقت میں عمرہ ادا کرتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی بَكْرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِی بَكْرٍ اَنْ یُّعْمِرَ عَائِشَةَ مِنَ التَّنْعِیْمِ (ترمذی:934)

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو حج مکمل ہونے کے بعد مکہ میں عمرہ ادا کرنے کی اجازت دی تھی اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ حرم کے باہر تک ان کے ساتھ جائیں۔ چنانچہ انہوں نے تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا تھا۔

گویا حج کے بعد عمرہ ادا کرنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے اور نہ ہی اس پر دَم واجب ہوگا۔ خصوصاً جن عورتوں کو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا جیسا عذر درپیش ہوگا اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: بیت اللہ کے اندر نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: فرض نماز کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے مگر نفلی نماز کو تمام علماء صرف جائز ہی نہیں سمجھتے بلکہ سنت بھی کہتے ہیں کیونکہ ایک مشہور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی تھی۔ ایسے ہی حطیم میں بھی فرض نماز کا مسئلہ اختلافی ہے تاہم نفلی نماز پڑھنا سنت ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ : كُنْتُ اُحِبُّ اَنْ اَدْخُلَ الْبَيْتَ فَاُصَلِّيَ فِيْهِ ، فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِيَدِيْ فَاَدْخَلَنِي الْحِجْرَ وَقَالَ صَلِّي فِي الْحِجْرِ .(ترمذی:876)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں چاہتی تھی کہ بیت اللہ میں داخل ہوکر نماز ادا کروں تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر حطیم میں داخل کر دیا اور فرمایا: ''بیت اللہ میں نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو حطیم میں پڑھ لیا کرو۔''

سوال: جو شخص کنکریاں مارتے وقت ترتیب کا لحاظ نہیں رکھتا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: جمہور کے نزدیک کنکریوں میں ترتیب کا لحاظ رکھنا واجب ہے جب کہ دیگر علماء نے اس ترتیب کو سنت کہا ہے۔ دینِ حنیف اور شریعتِ محمدی ﷺ کی روح سے قریب تر کی تلاش میں ہم جو قاعدہ بیان کر چکے ہیں اس کی رُو سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص یہ جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین شیطانوں کو ترتیب وار کنکریاں ماری ہیں لیکن اپنی ذاتی رائے یا نفسانی خواہش کی بنا پر وہ اس ترتیب کا لحاظ نہیں کرتا ہے، اس پر دوبارہ ترتیب وار کنکریاں مارنا واجب ہے خواہ سخت گرمی اور شدید اژدھام ہی کیوں نہ ہو! دوبارہ کنکریاں نہ مارنے کی صورت میں اس پر دَم واجب ہوگا تاکہ سنتِ رسول ﷺ اور شعیرۂ اسلام کی توہین کے گناہ کا ازالہ ہو سکے۔ اس کا بے ترتیب کنکریاں مارنا اگر لاعلمی یا بھول پن یا کسی دیگر شرعی عذر کی وجہ سے ہے تو اس میں اگرچہ کوئی حرج نہیں ہے تاہم دوبارہ کنکریاں مارنا اس کے لیے بہتر ہے۔ ہمارے نزدیک صاحبِ عذر پر کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ہمارے علم میں کم از کم یہ ثابت نہیں ہے کہ جس نے لاعلمی یا بھول پن میں بے ترتیب کنکریاں ماری ہوں اور رسول اکرم ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو دوبارہ کنکریاں مارنے کا حکم دیا ہو بلکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِيْ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ (ابن ماجه:2043)

''میری امت سے غلطی، بھول اور جبر اٹھا دیا گیا ہے۔''

ارشادِ الٰہی ہے:

وما جعل عليكم في الدين من حرج (الحج:78)

''اللہ تعالی نے تمہیں کسی دینی حرج میں مبتلا نہیں کیا۔''

ان کے علاوہ بھی شریعتِ اسلامیہ کے عمومی قواعد اس کی تائید کرتے ہیں۔

سوال: حجرِ اسود کو چھونے سے متعلق عورت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: مردوں کے رش میں عورت کا حجرِ اسود کو چھونا مکروہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے ان سے کہا: میں نے سات مرتبہ طواف کیا اور دو یا تین دفعہ حجرِ اسود کو چھوا ہے۔ فرمایا: اری کم بخت! مردوں سے مزاحمت کرتی ہے، تکبیر کہہ کر ہی وہاں سے کیوں نہ گزر گئی؟

سوال: جس شخص پر دَم واجب ہوتا ہے کیا وہ خود بھی اس کا گوشت کھا سکتا ہے؟

جواب: اس مسئلے کے حکم میں قدرے تفصیل ہے۔ جانور اگر حجِ تمتع یا حجِ قران یا نفلی قربانی کا ہے تو وہ اس کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے۔ یہ عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے حجِ قران کیا اور اپنی قربانی کا گوشت کھایا اور امہات المومنینؓ نے بھی حجِ تمتع میں اپنی قربانیوں کا گوشت کھایا ہے لیکن یہ جانور اگر کسی واجب کے چھوڑنے یا کسی ممنوع کے کرنے پر یا کسی شکار کے مارنے پر یا کسی نذر کے ماننے پر واجب کیا گیا ہے تو اس کا گوشت خود کھانا جائز نہیں ہے۔ یہ ایک مشہور مسئلہ ہے جس میں اگرچہ فقہی اختلاف پایا جاتا ہے تاہم روحِ شریعت کے قریب تر یہی مؤقف ہے۔

سوال: ہدی میں کون سا جانور ذبح کیا جا سکتا ہے؟ اس کو نشان زَدہ کیسے کیا جائے گا؟ اس کو قلادہ کیسے پہنایا جائے گا؟ اس کو کس وقت کس جگہ پر ذبح کیا جائے گا اور اس کی تعریف کیسے کرائی جائے گی؟

جواب: قربانی کے اس جانور کو ہدی کہتے ہیں جو اہلِ مکہ کو ہدیہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ اس کی بہترین اقسام ہیں۔ قربانی کے جانور کی مانند ہدی کے جانور کی بھی عمر اور صحت میں وہی شرائط ملحوظ رکھی جائیں گی۔ ہدی کا جانور کبھی واجب ہوتا ہے مثلاً تمتع، قران، نذر، شکار کی ہدی واجب ہے۔ ایسے ہی ہدی کی قربانی بعض دفعہ نفلی بھی ہوتی ہے مثلاً کوئی شخص اپنے علاقے سے اہلِ مکہ کو تحفے میں قربانی کے لیے کوئی جانور بھیج دیتا ہے حالانکہ یہ اس پر واجب نہیں تھا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی حج کے موقع پر سو اونٹ ذبح کیے تھے حالانکہ آپ ﷺ پر قران میں صرف ایک ہی جانور ذبح کرنا واجب تھا۔

ہدی کو نشان زدہ کرنے کا طریقۂ کار یہ ہے کہ اونٹ یا گائے کی کوہان کے دائیں یا بائیں جانب زخم کر دیا جاتا ہے جس سے خون بہہ پڑتا ہے۔ اس کو اصطلاح میں 'اِشعار' کہتے ہیں۔ ہدی کو اسی حال میں قبلہ کی جانب روانہ کر دیا جاتا ہے۔ بکری یا بھیڑ کی چونکہ کوہان نہیں ہوتی لہٰذا اس کو نشان زَدہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ہدی کوقلادہ باندھنے کا طریقہ کار یہ ہے کہ اس کی گردن میں جوتا نما کوئی چیز لٹکادی جاتی ہے جوراہزنوں یا چرواہوں کے لیے ایک قسم کا اعلان ہوتا ہے کہ یہ جانور حرم کی ہدی ہے۔

ہدی کوذبح کرنے کا محل زمانی بھی ہے اور مکانی بھی۔ارشادِ الٰہی ہے:

ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٣٣﴾ (الحج:33)

''ان کے قربان ہونے کی جگہ قدیم گھر کے پاس ہے۔''

هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ۔(المائدہ:95)

''یہ کعبہ کو پہنچنے والا نذرانہ ہے۔''

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ (البقرہ:196)

''اور اپنے سروں کو نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنے مقام تک نہ پہنچ جائے۔''

ان آیاتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ہدی کے ذبح کرنے کی جگہ حرم ہے مگر جب ہدی ہلاک ہورہی ہو یا صاحبِ ہدی کو مکہ سے روک دیا جائے اور حرم تک پہنچنا ممکن نہ رہے تو وہیں پر ہدی کو ذبح کیا جاسکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو جب قریشِ مکہ نے مسجدِ حرام تک جانے سے روک دیا تھا تو آپ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام ہی پر ہدی کے جانوروں کو ذبح کردیا تھا۔ یہ ایک مشہور واقعہ ہے۔تمتع یا قران کے حج کی ہدی کو قربان کرنے کا وقت دس ذوالحجہ کا دن ہے لیکن ہدی کا تعلق اگر حج سے نہیں ہے تو اس کا کوئی خاص وقت بھی نہیں ہے لہٰذا کسی بھی وقت اس کو ذبح کیا جاسکتا ہے۔

اور جہاں تک ہدی کی تعریف کا مسئلہ ہے، ہدی کا مالک یا اس کا نائب یومِ عرفہ کو اس کا تعارف کرائے گا مگر اس تعارف کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ مالک نے ہدی کو اگر حدودِ حرم ہی سے خریدا ہے تو اس کا تعارف کرانا واجب ہے اور اگر حدودِ حرم کے باہر سے لایا ہے تو تعارف کرانا سنت ہے۔شافعیہ اور حنابلہ بھی تعارف کو سنت کہتے ہیں۔البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہدی کا تعارف کرانا واجب ہے اور نہ ہی سنت ہے۔جمہور کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدی کی تعریف بیان کی ہے اور افعالِ حج کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لِتَاخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ (مسلم:3137)

''مجھ سے حج کا طریقہ سیکھو۔''

احناف نے اس حدیث میں تاویل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ہدی کا تعارف کرانا بذاتِ خود مقصود نہ تھا بلکہ آپ ﷺ کی ہدی وقوف کے تابع تھی۔ چونکہ وہ بھی دیگر اشیائے سفر میں شامل تھیں جنہیں آپ ﷺ حدودِ حرم کے باہر ہی سے اپنے ساتھ لا رہے تھے چنانچہ وقوفِ عرفہ میں آپ ﷺ کا مقصد ہدی کا تعارف کرانا بالکل نہ تھا کیونکہ آپ ﷺ کے پاس ہدی کے علاوہ کوئی اور جانور تھا ہی نہیں جن سے ہدی کے جانور کو ممتاز کرنا ضروری ہوتا۔ علاوہ ازیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس کے راوی سعید بن منصور ہیں۔ لہٰذا آپ چاہتے ہیں تو ہدی کے جانور کا تعارف کروائیں اور نہیں چاہتے ہیں تو نہ کروائیں۔ لوگ جانور چوری ہو جانے کے خوف سے اس کا تعارف کرایا کرتے تھے۔

سوال: جس شخص پر اونٹ ذبح کرنا واجب ہوتا ہے اگر وہ میسر نہ ہو سکے تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب: اونٹ کی جگہ وہ سات بکریاں ذبح کرے گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اَتَـاهُ رَجُـلٌ فَقَالَ : اِنَّ عَلَیَّ بَدَنَةً . وَاَنَا مُوسِرٌ بِهَا . وَلَا اَجِدُهَا فَاَشْتَرِیَهَا . فَاَمَرَهُ النَّبِیُّ ﷺ اَنْ یَّبْتَاعَ سَبْعَ شِیَاهٍ فَیَذْبَحُهُنَّ (ابن ماجه:3136)

ابن ماجہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر عرض پرداز ہوا کہ مجھ پر اونٹ ذبح کرنا واجب ہے مگر اونٹ مل نہیں رہا کہ خرید کر میں اسے ذبح کر سکوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سات بکریاں خرید کر ذبح کر دو۔''

سوال: جو شخص وقوفِ عرفہ سے قبل بیمار ہو جائے اور دن یا رات کو عرفات میں حاضر ہونے سے قاصر رہے اس کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے؟

جواب: اس قسم کے مسائل کا تعلق فوات سے ہوتا ہے اور دیر یا مرض جیسے عذر کی بنا پر جس آدمی سے وقوفِ عرفہ فوت ہو جاتا ہے وہ عمرہ کر کے حلال ہو جائے گا۔ یعنی بیت اللہ کا طواف کرے گا، صفا و مروہ کی سعی کرے گا اور سر کو منڈوائے گا۔ علاوہ ازیں اس پر آئندہ سال کا حج بھی لازم ہے جس میں ہدی کا جانور بھی قربان کرے گا۔ یہ اس شخص کا حکم ہے جس نے احرام باندھتے وقت یہ شرط نہ لگائی ہو کہ جہاں اللہ تعالیٰ روک دے گا، میں وہیں احرام کھول دوں گا لیکن اس نے اگر ایسی شرط لگا رکھی ہے تو نہ اس پر ہدی کا جانور واجب ہے اور نہ ہی آئندہ سال کا حج لازم ہے۔ تاہم اس کا یہ حج اگر وہ پہلا حج ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض کیا ہے یا دوسرا حج ہے جو نذر وغیرہ کے ذریعے سے اس نے خود اپنے اوپر فرض

کیا ہے تو اس میں کسی قسم کی شرط کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كُسِرَ اَوْ عَرَجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ (ابو داؤد:1862)

''جس کا عضو ٹوٹ گیا یا آنکھ پھوٹ گئی یا بیمار ہو گیا اور اس نے احرام کھول دیا اس پر آئندہ سال حج کرنا ہے۔'' (**حاشیہ**: اگرچہ بعض نے اس کو ضعیف کہا ہے تاہم یہ حسن لغیرہ ہے۔)

اگرچہ اس حدیث میں عمرہ کرکے حلال ہونے اور ہدی کا جانور ذبح کرنے کا اشارہ تک موجود نہیں ہے تاہم مؤطا میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نے اس کو ثابت کیا ہے۔

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ہبار بن اسود رضی اللہ عنہ سے وقوفِ عرفات رہ گیا۔وہ نحر کے دن پہنچے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ عمرہ کرکے حلال ہو جائیں، اگلے سال کا حج ادا کریں گے اور ہدی کا جانور بھی قربان کریں اور جس کو ہدی کا جانور دستیاب نہ ہو وہ تین روزے حج کے ایام میں اور سات روزے گھر میں واپس جا کر رکھے گا۔ (مؤطا امام مالک:852)

سوال: اِحصار کا مطلب کیا ہے؟ اس کا حکم بیان کریں؟

جواب: اِحصار کا مطلب یہ ہے کہ جس نے حج یا عمرہ کا ارادہ کیا ہے، دشمن یا چور اس کو بیت اللہ یا وقوفِ عرفہ تک پہنچنے سے روک دیں، اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ بیت اللہ پہنچنے سے اگر وہ مایوس ہو جاتا ہے تو میسر جانور کی قربانی دے کر احرام کھول دے گا۔

(**حاشیہ**: جس کو روک دیا جائے اس پر قضا ہے یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں اس پر قضا نہیں ہے البتہ حج یا عمرہ اگر خود پر واجب کر چکا ہو تو اس کی قضا کرے گا کیونکہ واجب کی بہر حال قضا کی جاتی ہے۔)

اور ہدی کا جانور اگر میسر نہ ہو تو حلال ہونے کی نیت سے دس روزے رکھنا اس پر فرض ہے کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ (البقرہ:196)

''اگر تمہیں جو روک دیا جائے تو جو جانور میسر ہو قربانی کر دو۔''

(**حاشیہ**: جس جگہ روک دیا گیا ہو ہدی کو اسی جگہ قربان کر دیا جائے گا لیکن حدودِ حرم میں ذبح کرنا اگر ممکن ہو تو وہیں ذبح کرنا چاہئے۔)

یہ اس شخص کے بارے میں حکم ہے جو بیت اللہ سے روک دیا گیا ہو لیکن اس کو اگر عرفات سے روک دیا گیا ہے اور اس نے طواف اور سعی نہیں کی ہے تو اس کا یہ حج ،عمرہ بن جائے گا۔لہٰذا عمرہ کی نیت سے وہ طواف اور سعی کے بعد احرام کھول دے گا اور اس پر ہدی بھی واجب نہ ہوگی لیکن وہ اگر طواف وسعی کر چکا ہے تو ایک قول یہ ہے کہ وہ دوبارہ طواف اور سعی کر کے حلال ہو جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حدودِ حرم سے باہر جا کر عمرہ کی نیت سے احرام باندھے گا اور عمرہ مکمل کر کے حلال ہو جائے گا۔

سوال: مکہ میں مسجدِ حرام کے علاوہ کوئی جگہ ہے جس کی زیارت کرنا سنت کا درجہ رکھتا ہو؟

جواب: نہیں! مکہ میں کوئی جگہ نہیں ہے، نہ غارِ حرا، نہ غارِ ثور اور نہ جائے ولادت کیونکہ اس کی زیارت کرنا سنت سے ثابت نہیں اور نہ ہی آپ ﷺ نے اس کو ہمارے لیے مشروع کیا ہے۔ چنانچہ جس کا شارع نے حکم نہ دیا ہو، اس میں تزکیۂ نفس کا سامان نہیں ہوتا حالانکہ تمام عباداتِ شریعہ سے تزکیہ ہی مقصود ہوتا ہے۔عموماً یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہم ان مقامات پر سنت سمجھ کر نہیں جایا کرتے بلکہ یہاں جا کر دُعا کرتے ہیں کیونکہ اس کے قبول ہونے کا غالب گمان ہوتا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ قبولِ دُعا کی امید قربت واطاعت کی بجا آوری کے بعد کی جاتی ہے اور جو چیز اللہ تعالی کے قرب کا ذریعہ نہیں بنتی ہے، اس کو وسیلہ بنا کر قبولِ دُعا کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟ علاوہ ازیں جن زیارات کا شارع نے حکم نہیں دیا اس کا شمار بدعت میں ہوتا ہے جس سے اجتناب ضروری ہے کیونکہ ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی جہنم کا سبب ہے۔

اور یہاں حج وعمرہ کے احکام کا بیان اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اختتام کو پہنچے اور تمام تعریف اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے۔

مسجدِ نبوی ﷺ کی زیارت

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا اور اس کو ممنوع قرار دیا ہے جب کہ مدینہ طیبہ کو رسول اللہ ﷺ نے حرم بنایا اور اس کو ممنوع قرار دیا ہے چنانچہ دونوں ہی محرم اور ممنوع ہیں۔ جیسے مکہ مکرمہ کی معروف حدود ہیں جن میں شکار نہیں کیا جا سکتا، درخت نہیں کاٹا جا سکتا، گھاس نہیں اُکھاڑی جا سکتی بالکل ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کے بھی حدود مقرر کر دیئے ہیں جن میں نہ شکار کھیلا جا سکتا ہے، نہ درخت کاٹا جا سکتا ہے اور نہ ہی گھاس اُکھاڑا جا سکتا ہے۔ ابوداؤد میں جنابِ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن اور صحیفہ کے علاوہ کچھ نہیں لکھا ہے،

قَالَ رَسُولُ اللہِ ﷺ : اَلْـمَدِیْنَةُ حَرَامٌ مَا بَیْنَ عَائِرَ اِلَی ثَوْرٍ، فَمَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا اَوْ آوَی مُحْدِثًا فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللہِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (ابو داؤد:2034)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مدینہ میں عیر نامی پہاڑ سے لیکر ثور تک کا علاقہ حرم ہے جو شخص یہاں کسی بدعت کا ارتکاب کرتا یا بدعتی کو پناہ دیتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی، تمام فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ ایسے شخص کا فرض یا نفل، کوئی عبادت بھی قبول نہیں ہے۔“

لَا یُـخْتَـلَـی خَلَاهَـا وَلَا یُـنَـفَّـرُ صَیْدُهَا وَلَا یَلْتَقَطُ لُقُطَتُهَا اِلَّا لِمَنْ اَشَادَ بِهَا، وَلَا یَصْلُحُ لِـرَجُـلٍ اَنْ یَـحْـمِـلَ فِیهَا السِّلَاحَ لِقِتَالٍ، وَلَا یَصْلُحُ اَن یُّقْطَعَ مِنْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا اَنْ یَّعْلِفَ رَجُلٌ بَعِیرَهُ . (ابو داؤد: 2035)

”لہٰذا یہاں کی گھاس نہیں کاٹی جائے گی، یہاں کا جانور شکار نہیں کیا جائے گا، یہاں کی چیز نہیں اٹھائی جائے گی مگر جو اعلان کا ارادہ رکھتا ہو، یہاں لڑائی کے لیے اسلحہ اٹھانا کسی کو زیب نہیں دیتا اور یہاں کے درخت کاٹنا بھی جائز نہیں ہیں مگر جو شخص اپنے اونٹ کا چارہ بنانا چاہتا ہو۔“

عَنْ عَدِیّ بنِ زَیْدٍ قَال : حَمَی رَسُولُ اللهِ ﷺ کُلَّ نَاحِیَةٍ مِّنَ الْمَدِیْنَه بَرِیدًا لا یُخْبَطُ شَجَرُهُ وَلا یُعْضَدُ اِلَّا ما یُسَاقُ بِهِ الْجَمَلُ . (ابو داؤد:2036)

عدی بن زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ کو چاروں جانب سے ایک ایک برید چودہ کلومیٹر تک حرم قرار دیا ہے کہ اس کا درخت اکھاڑا جا سکتا ہے، نہ ہی کاٹا جا سکتا ہے مگر اونٹ ہانکنے کے لیے چھڑی وغیرہ بنا سکتا ہے''۔

سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حرمِ مدینہ میں شکار کرتے دیکھا تو اس کے کپڑے چھین کر لے گئے کہ اس کے مالکوں نے آکر بات چیت کی تو سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

اِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ حَرَّمَ هٰذَا الْحَرَمَ وَقَالَ : '' مَنْ وَّجَدَ اَحَدًا یَصِیدُ فِیهِ فَلْیَسْلُبْهُ ثِیَابَهُ '' وَلا اَرُدُّ عَلَیْکُمْ طُعْمَةً اَطْعَمَنِیهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَلٰکِنْ اِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُ اِلَیْکُم ثَمَنَهُ

(ابو داؤد:2037)

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم بنایا ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص یہاں شکار کرتا پکڑا جائے، اس کے کپڑے چھین لیے جائیں چنانچہ جو غنیمت مجھے رسول اللہ ﷺ نے دی ہے میں واپس نہیں کر سکتا۔ اگر تم چاہو تو میں اس کی قیمت تمہیں دے سکتا ہوں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مدینہ طیبہ بھی حرم ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حرم بنایا اور اس کی حدود مقرر کی ہیں جیسے جنابِ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حدود مقرر کی تھیں۔ حرمِ مدینہ کی حدود چاروں جانب سے ایک ایک برید ہیں۔ ایک برید چودہ کلومیٹر کا ہوتا ہے گویا مدینہ طیبہ کے چہار سو چودہ چودہ کلومیٹر تک کا علاقہ حرم کی حدود میں داخل ہے۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ یہاں شکار کرنے میں کوئی جزا یا درخت کاٹنے میں کوئی کفارہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان میں سے کسی چیز کا بھی حکم نہیں دیا ہے۔

مدینہ طیبہ کی فضیلت

مدینہ طیبہ اسلام کی جائے قرار، وحی کا مقامِ نزول، اسلامی تہذیب وتمدن کا سرچشمہ اور انسانی فضائل و کمالات کا گہوارہ ہے۔ ہمیں اس حقیقت کا بارہا اعتراف کرنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا نے آج تک اس جیسے شہر کا نظارہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی تاریخ

انسانی ایسے کسی شہر کی مثال پیش کر سکی ہے جو کمالات کے اصول و فروغ اور اطراف وحواشی میں شہرِ محمد ﷺ کا مقابلہ کر سکتا ہو۔ یہ فضیلت والا شہر مدینہ ہے جس کو طیبہ، طابہ، جامعہ اور قریہ بھی کہتے ہیں۔ یہ تمام مدینہ نبویہ کے نام ہیں۔ زمانۂ قدیم کے کثیر فلاسفر کی دانش بھی اس جیسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ کاش! وہ عرصہ دراز تک زندہ رہتے اور بچشمِ خود اس مدینۂ پاک کا مشاہدہ کر سکتے جو زمانۂ نبوت اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک دانش گاہ کا نظارہ پیش کرتا رہا۔ مدینۂ طیبہ کی فضیلت پر ذیل میں چند احادیث بیان کی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَللّٰهُم حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَمَا حَبَّبْتَ مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ (مسلم:3342)

''یا اللہ! مدینہ ہمیں مکہ یا مکہ سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔''

فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

اِنَّ اَيْمَانَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَارِزُ الْحَيَّةُ اِلَى جُحْرِهَا (بخاری:1876)

''ایمان مدینہ میں سمٹ آئے گا جیسے سانپ اپنی بل میں سمٹ جاتا ہے۔''

لَا يَصْبِرُ عَلَى لَأْوَائِهَا وَشِدَّتِهَا [أَحَدٌ] اِلَّا كُنْتُ لَهُ شَهِيْدًا ، اَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسلم:3345)

''جو آدمی مدینہ کی تکلیفوں اور اس کی سختیوں پر صبر کرے گا تو میں اس کی سفارش کروں گا یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا۔''

مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ ، فَلْيَفْعَلْ . فَاِنِّى اَشْهَدُ لِمَنْ مَاتَ بِهَا (ابن ماجہ 3112:)

''جو شخص مدینہ میں فوت ہونے کی استطاعت رکھتا ہے اسے یہ کوشش کرنی چاہئے کیونکہ جو اس میں وفات پاتا ہے میں اس کی شفاعت کروں گا۔'' (رفاعی کے فضائلِ مدینہ کا صفحہ 264/268 مطالعہ کریں)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''یا اللہ! ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں دو لابتوں کے درمیان میں مدینہ کر حرم بناتا ہوں۔''

(حاشیہ: لابہ سے مراد حرہ ہے اور حرہ اس پتھر کو کہتے ہیں جو سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔ مدینہ کے اردگرد سیاہی

نما دو پتھریلے میدان ہیں جنہیں حدیث میں لابتان یا حرتان کہا گیا ہے۔)

آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''یا اللہ! انہوں نے مجھ کو اس شہر سے نکالا ہے جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور تو مجھے اس شہر میں جگہ دے جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔'' (المستدرک حاکم: 3/3 حدیث: 4261)

(حاشیہ: امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ اس میں ضعف ہے اور اگر صحیح بھی ہے تو یہ اختلاف بہرحال موجود ہے کہ مکہ اور مدینہ میں سے افضل کون ہے؟ جمہور مکہ کو افضل کہتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ کو افضل کہتے ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان دو آراء میں تطبیق دے دی ہے کہ جب بندہ عبادت پر قادر ہو تو مکہ میں زندگی گزارنا افضل ہے اور جب عاجز ہو جائے تو مدینہ افضل ہے تاکہ موت کے وقت وہ مدینہ میں ہو۔)

ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّمَا الْمَدِیْنَۃُ کَالکِیْرِ تَنفِیْ خَبَثَھَا وَیَنْصَعُ طَیِّبُھَا (مسلم: 3355)

''مدینہ بھٹی کی مانند ہے جو خبیث کو دور کرتا اور شریف کو جگہ دیتا ہے۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے:

حِیْنَ خَرَجَ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ الْتَفَتَ اِلَیْھَا فَبَکٰی ثُمَّ قَالَ یَا مُزَاحِمُ أَتَخْشٰی أَنْ نَکُوْنَ مِمَّنْ نَفَتْ الْمَدِیْنَۃُ (مؤطا امام مالک: 1582)

''نکلتے وقت وہ مدینہ کو دیکھ کر رو پڑے اور اپنے غلام سے کہا: مزاحم! خطرہ ہے کہیں ہم بھی وہ نہ ہوں جنہیں مدینہ دور کر دیتا ہے۔''

اہلِ مدینہ کا مقام

دوسروں کی نسبت اہلِ مدینہ کا شرف وفضل اور مقام ومرتبہ زیادہ کیوں نہ ہو؟ کیا وہ حدودِ حرم کے نگہبان، فضائلِ امت کے پاسبان اور مرکزِ اسلام کے نگران نہیں ہیں؟ اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ کیا وہ رسول اللہ ﷺ کے پڑوسی، آپ ﷺ کی مسجد کے متولی، آپ ﷺ کے شہر کے باسی اور آپ ﷺ کے حرم کے رہائشی نہیں ہیں؟ ہمارے آقا محمد ﷺ نے اہلِ مدینہ کے بارے میں وصیت فرمائی ہے، ان کے احترام کی تاکید کی ہے، ان کی بزرگی کو بیان کیا ہے، فضل وسیادت اور شرف وکمال

میں ان کا حق مقرر فرمایا ہے۔آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَهُمْ فِی مِکْیَالِهِمْ وَبَارِکْ لَهُمْ فِیْ صَآعِهِمْ وَبَارِکْ لَهُمْ فِیْ مُدِّهِمْ (مسلم:3325)

''یا اللہ! اہلِ مدینہ کے مکیال میں، ان کے صاع میں، ان کے مُد میں برکت نازل فرما۔''

آپ ﷺ کا فرمانِ پاک ہے:

لَا یَکِیْدُ اَهْلَ الْمَدِیْنَةِ اَحَدٌ اِلَّا انْمَاعَ کَمَا یَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ (بخاری:1877)

''جو شخص اہلِ مدینہ کو دھوکہ دینا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایسے پگھلا دے گا جیسے پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔''

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

وَلَا یُرِیْدُ اَحَدٌ اَهْلَ الْمَدِیْنَةِ بِسُوْءٍ اِلَّا اَذَابَهُ اللّٰهُ فِی النَّارِ ذَوْبَ الرَّصَاصِ (مسلم:3319)

''جو شخص اہلِ مدینہ کے بارے میں بُرا ذہن رکھتا ہے اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ میں اس کو سیسے کی مانند پگھلا دے گا۔''

(حاشیہ: مکیال، صاع اور مدوہ پیمانے ہیں جو ناپ تول کے کام آتے ہیں۔اس دُعا سے مقصود ان کے رزق میں کشادگی ہے۔آج ہم اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْمَدِیْنَةُ مُهَاجَرِیْ ،فِیْهَا مَضْجَعِیْ وَمِنْهَا مَبْعَثِیْ ،حَقِیْقٌ عَلٰی اَمَّتِیْ حِفْظُ جِیْرَانِیْ مَالَمْ یَرْتَکِبُوا الْکَبَائِرَ، وَمَنْ حَفِظَهُمْ کُنْتُ لَهُ شَفِیْعًا وَّشَهِیْدًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ (طبرانی فی الکبیر وسنده ضعیف،فیه متروک)

''مدینہ میری ہجرت کا مقام ہے، یہ میری آرام گاہ ہے، اور دوبارہ میں یہیں سے اٹھایا جاؤں گا۔لہٰذا میرے ہمسایوں کی حفاظت کرنا امت پر فرض ہے جب تک کبائر کا ارتکاب نہ کریں گے اور جو ان کی حفاظت کرے گا قیامت کے دن میں اس کا گواہ بھی بنوں گا، اس کی سفارش بھی کروں گا۔''

مدینہ میں فساد کرنے والا اہلِ مدینہ میں سے نہیں

جنابِ نوح علیہ السلام کا بیٹا جب نافرمان اور فسادی بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں اپنے پیغمبر علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

قَالَ يٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ‌ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ‌ ۖ (ھود:46)

''اے نوح! یہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے اس نے غیر صالح کام کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کو خاندانِ نوح ہی سے خارج کر دیا، لعنت کی پھٹکار اس پر نازل کی اور ہمیشہ ہمیں تک وہ رضا و سلامتی سے محروم ہو گیا۔ اس کی وجہ اور کچھ نہیں تھی کہ اس نے شرک وفساد پر مبنی ایک غلط کام کیا تھا جس میں تزکیۂ نفس اور تطہیرِ روح کی قوت نہیں پائی جاتی تھی۔

چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اہلِ مدینہ میں سے کوئی شخص اگر ایسا عمل کرتا ہے جس میں تزکیۂ نفس نہیں پایا جاتا، نہ اس کو اہلِ مدینہ میں شمار کیا جائے گا، نہ اس کو مدینہ کے انصار میں گنا جائے گا اور نہ ہی نسبتِ مدینہ کا اس کو شرف حاصل ہوگا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ اب مدینہ سے لاتعلق ہو چکا ہے۔ اگرچہ اس قبیل کے خبیث افراد کو مدینہ ہرگز قبول نہیں کرتا ہے تاہم اہلِ مدینہ کا فرض بنتا ہے کہ وہ ایسے شخص کو عملاً مدینہ سے نکال باہر کریں اور سرزمینِ مدینہ کو فساد اور فسادی کے وجود سے پاک کرنے کا یہ عمل ہمیشہ جاری رکھیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر وعید بیان کر کے ہمیں ڈرایا ہے کہ:

مَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا اَوْ آوَى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ ، وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ .

''جو شخص یہاں کسی فساد کا ارتکاب کرتا یا فسادی کو پناہ دیتا ہے اس پر اللہ کی، تمام فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہوتی ہے۔'' (مسند احمد:126/1 حدیث:1037)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان ان کے خلاف ہے جو شر وفساد کا ارتکاب کر کے مدینۂ طیبہ کے شرف وکمال کی توہین و حقارت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے ماخوذ ہے:

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ‌ ۚ (النساء:80)

''اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اہلِ مدینہ اس وقت تک شرف وحرمت اور قدر ومنزلت کے حقدار ہیں جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب نہیں کرتے اور اگر وہ معصیتِ الٰہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اعزاز وتکریم میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اہلِ

مدینہ پر ہم اگر چہ باقی لوگوں کی بہ نسبت زیادہ شفقت کرتے ہیں اوران کی اصلاح کرنا جب ہمارے بس میں نہ رہے گا، ہم ان کی پردہ پوشی کریں گے کیونکہ ہمارے ہی نہیں، تمام مومنین کے دل میں ان کا جلال ووقار ہے لیکن جب تک حق ہمارا قائداور دین ہمارا رہنما ہے، ہم قطعاً یہ پسند نہیں کریں گے کہ اہلِ مدینہ میں سے بدکو نیک باور کرائیں یا ظالم کو عادل خیال کریں اور ہم کبھی نہیں چاہیں گے کہ فضل کے ناشکرے کوشکر گزار کا نام دیا جائے یا گمراہ کو ہدایت یافتہ کے نام سے پکارا جائے کیونکہ حق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کو بیان کیا جائے اورحق بات کہنے میں مداہنت اختیار کرنا رسوائی ہے۔ چنانچہ اے منازلِ مدینہ کے نگہبانو! حدث ،فساد اور بغاوت کر کے تم اپنے شرف ووقارمت گنواؤ۔اس حقیقت کوکبھی فراموش نہ کرنا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے پڑوسی ہو۔

اللّٰھم صل علیه وعلیٰ آله وصحبه وعلیھم ما اھتدوا بھداہ

مسجدِ نبوی ﷺ کا مقام

اللہ تعالیٰ ہرقسم کی خیرو برکت اورفضل وشرف کا سرچشمہ ہیں اورکسی جگہ کواگرکوئی فضیلت عطا کی گئی ہے یا کسی وقت کو اگر کسی شرف سے نوازا گیا ہے تو بلاشبہ اس زمان ومکان کو یہ شرف وفضل اللہ تعالیٰ ہی نے دیا ہے۔امتِ اسلامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا میں بابرکت اورمقدس مقامات بھی ہیں جیسے چنداوقات مقدس اور بابرکت ہیں مثلاً شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور یومِ عرفہ تمام دنوں سے افضل ہے۔ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کی فضیلت کا سبب ذاتی نہیں ہے بلکہ ان اوقات میں انجام پانے والے کسی خارجی سبب سے انہیں یہ مقام حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ شبِ قدر کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ اس میں قرآنِ حکیم نازل ہوا تھا اور یومِ عرفہ کے شرف کا باعث یہ ہے کہ اس میں اہلِ عرفہ پر انوار وتجلیات واقع ہوتی ہیں۔

بالکل ایسے ہی مقدس اوقات کی مانند دنیا میں چند مقدس مقامات بھی ہیں جن میں مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کا نام آتا ہے۔ مسجدِ حرام اس وجہ سے افضل ہے کہ بیت اللہ سے متصل ہے اور مسجدِ نبوی اس بنا پر افضل ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے متعلق ہے اور مسجدِ اقصیٰ اس باعث افضل ہے کہ برکت اللہ سے ملحق ہے۔ گویا تینوں مقامات کی فضیلت دراصل اللہ تعالیٰ کی جانب لوٹتی ہے۔ بلاشبہ ہر فضل اسی کی ذات سے نکلتا اور ہر انعام اس کی جانب سے ملتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (اسراء:1)

''وہ پاک ہے جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی۔''

اللہ تعالیٰ نے پہلی اور تیسری مسجد کا وہ نام ذکر کیا ہے جس نام کے ساتھ نزولِ آیت کے وقت وہ مشہور تھی اور دوسری مسجد کا صراحت کے ساتھ نام ذکر نہیں کیا مگر اس کی جانب اشارہ کر دیا ہے کیونکہ ابھی تک وہ معرض وجود میں نہیں آئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں گویا وہ موجود ہی تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی اور اس پر اس کی تقدیر جاری ہو چکی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اقصیٰ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اسم تفضیل وہ ہوتا ہے جس میں کسی دوسرے کی نسبت زیادتی کا معنی پایا جاتا ہے۔ یہ 'قاصی' سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے ''دور والا''۔ چنانچہ جو شخص مسجدِ حرام میں ہوگا اس کے لحاظ سے مسجدِ نبوی دور کی مسجد (مسجدِ قاصی) ہوگی اور جو مسجد مسجدِ نبوی سے بھی زیادہ دور ہوگی، اس کو مسجدِ اقصی کہا جائے گا۔ آیتِ کریمہ میں اسی لحاظ سے مسجدِ اقصی کا صراحت کے ساتھ نام ذکر کیا گیا ہے کہ مسجدِ حرام سے مسجدِ نبوی کی بہ نسبت مسجدِ اقصیٰ زیادہ دور ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیتِ کریمہ میں جن دو عظیم مسجدوں کا نام ذکر کیا گیا ہے ان کے ضمن میں مسجدِ نبوی کا اشارہ بھی پایا جاتا ہے۔ گویا مسجدِ نبوی کی فضیلت قرآنِ حکیم اور حدیثِ رسول ﷺ میں سے ہر دو جگہ پر بیان کی گئی ہے۔

اس میں نکتے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان مساجد کا ذکر فضیلت میں اسی ترتیب کے مطابق کیا ہے جو ترتیب آیتِ کریمہ میں مذکور ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلَی ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ :اَلْمَسجِدِ الْحَرَامِ،وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ ﷺ وَمَسْجِدِ الاَقْصَی (بخاری:1189)

''تین مساجد مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصی کے علاوہ کہیں کے لیے رختِ سفر نہ باندھو۔''

مسجدِ نبوی ﷺ کے شرف وفضیلت پر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک بھی دلالت کرتا ہے:

صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِی هَذَا خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامَ (بخاری: 1190)

''میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا مسجدِ حرام کے علاوہ دیگر مسجدوں میں ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔''

مسجدِ نبوی ﷺ کے شرف وتقدس اور علو وعظمت میں ان چیزوں سے مزید اضافہ ہو جاتا ہے کہ اس میں جنت کے باغوں کا ایک باغ پایا جاتا ہے بلکہ جنت کے حوضوں میں سے ایک حوض کا منبر بھی اسی مسجد میں رکھا گیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنبَرِی رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنةِ وَمِنبَرِی عَلَى حَوضِى (بخاری:1196)

''میرے گھر اور منبر کے درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔''

(حاشیہ: ان احادیث کے لیے فضائلِ مدینہ کا مطالعہ کریں جو رفاعی نے لکھی ہے۔)

لہٰذا مسجدِ نبوی کا یہ حق ہے کہ ہم اس کے لیے رختِ سفر باندھیں، اس کی زیارت پر مال خرچ کریں اور اس میں نماز اور زیارت کو اللہ تعالی کے حضور میں خیر وخواہش کے طلب وحصول کے لیے وسیلہ میں پیش کریں۔

ہمیں فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ مسجدِ نبوی ﷺ اپنے شرف وفضل میں بلند مقام ہے۔ اس مسجد کی زیارت کرنے سے ایک افضل ترین مزار کی زیارت کرنا ممکن ہوجاتا ہے اور ایک مسلمان اس مقام پر جا کھڑا ہوتا ہے جس کے برابر کوئی اہل ودار اور درہم ودینار نہیں ہے۔ مسجدِ نبوی ﷺ کی زیارت آدمی کو اس قبر تک پہنچائے دیتی ہے جس نے ایک عظیم ترین ہستی کو اپنے اندر سمو رکھا ہے۔ اس وجہ سے وہ دنیا جہاں کا مقدس ترین حصہ اور ارض وسماء کا افضل ترین مقام ہے اور وہ محمدِ اکرم ﷺ کی قبرِ مبارک ہے جو انبیاء علیہم السلام کا خلاصہ، مرسلین کے برگزیدہ اور تمام دنیا کے سردار ہیں، صلی الله عليه و آله و صحابته اجمعين.

رسول اللہ ﷺ کی قبرِ مبارک پر وقوف اور آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صاحبین پر قریب سے سلام کرنے کا شرف

وہ کون سا مومن ہے جس کا ایمان سچا ہو اور وہ کون سا مسلمان ہے جس کا اسلام صحیح ہو اور وہ اپنے نبی اور رسول، اپنے حبیب اور شفیع، اپنے رہبر ورہنما کے حضور کھڑے ہو کر آپ پر اور آپ کے صاحبین پر اجلال واکبار اور تعظیم ووقار سے بھرپور سلام پیش کرنے کے شرف وفخر کا شعور نہ رکھتا ہو؟ ایسا کون سے مومن ہے جس کا ایمان مکمل ہو، ایسا کون سا مسلمان ہے جس کا اسلام اچھا ہو اور اس کو آپ ﷺ کے حجرۂ مبارک کی زیارت کا شوق نہیں چراتا جس نے سید الکونین اور خیر البشر کو اپنی گود میں چھپا رکھا ہے؟

وما حب الديار شغفن قلبي ولكن حب من سكن الديارا

''گھروں کی محبت نے میرے دل میں بسیرا نہیں کر رکھا لیکن یہ اس کی محبت ہے جو ان میں رہ کر گیا ہے۔''

اسی بناء پر زمانۂ قدیم وجدید کے تمام مسلمان ہمیشہ ہی سے زیارتِ مدینہ کا اشتیاق رکھتے بلکہ اس کے شوقِ دیدار میں جلا کرتے ہیں کیونکہ اس نے بڑے بڑے بڑے نشانات کو سمار رکھا اور نبوت کی بڑی بڑی برکات کو سمیٹ رکھا ہے۔اس میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد اور آپ ﷺ کی قبر ہے، اُحد اور اس کے شہید ہیں، قبا اور اس کے اہل ہیں، جنتِ بقیع اور اس کے آسودگان ہیں۔لہٰذا فریضۂ حج ادا کر کے فارغ اوقات کو غنیمت جان کر حاجی ایسے مواقع تلاش کرنے کی جستجو کرتا ہے جس میں بہترین وسیلہ اور عظیم ترین محرب کا حصول ممکن ہو اور وہ مسجدِ نبوی ﷺ کی زیارت کرنا، اور رسول اللہ ﷺ پر انتہائی قریب سے درود وسلام پڑھنا ہے۔آپ ﷺ صاحبِ فضل ہیں اور آپ ﷺ پر کسی کو فضیلت نہیں دی گئی ہے۔

مسجدِ نبوی ﷺ کی زیارت کا طریقہ

مسجدِ نبوی کی زیارت کرنا شریعتِ اسلامیہ میں ثابت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے چنانچہ یہ زیارت بھی عبادت کا درجہ رکھتی ہے اور عبادت میں نیت کا پایا جانا ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیءٍ مَا نَوَی (بخاری:1)

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔''

چنانچہ جو شخص مسجدِ نبوی کی زیارت کا ارادہ رکھتا ہے، سب سے پہلے اس زیارت میں قربِ الٰہی کی نیت کرنا اس پر ضروری ہے۔مسجدِ نبوی کی زیارت کا کوئی خاص وقت بھی متعین نہیں ہے۔مثلاً شارع نے عمرہ جیسے اکثر احکامِ شریعہ کو مطلقاً بیان کر دیا ہے کہ سال میں کسی وقت بھی ان کو ادا کرنا درست ہے۔چنانچہ مسجدِ نبوی کی زیارت کو ماہِ رجب کے ساتھ خاص کرنا اور اسی مناسبت سے زیارت کو 'رجبیہ' کہنا شریعتِ اسلامیہ کی رُو سے صحیح نہیں ہے بلکہ گمراہ حضرات کی یہ خود ساختہ ایجاد ہے۔لہٰذا شریعت کے قریب تر موَقف یہی ہے اور ہمیں اسی کا اتباع کرنا چاہئے کہ مسجدِ نبوی کی زیارت کے لیے سال کا کوئی مہینہ مخصوص نہ کیا جائے بلکہ کوئی زائر اپنے احوال وظروف کے لحاظ سے کسی وقت بھی اس کی زیارت کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے وقت میں زیارت کرنا ممنوع نہیں ہے۔اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ان اخراجات میں اعتدال اور مشکلات سے اجتناب پایا جاتا ہے جو کسی اسپیشل سفر کے وقت زادِراہ اور سامانِ سفر کی صورت میں پیدا ہوتی ہیں۔

چنانچہ جو شخص مسجدِ نبوی کی زیارت کا ارادہ رکھتا ہے حلال آمدنی اور رفقائے سفر کے ساتھ سنتِ رسول ﷺ کے مطابق

قربِ الٰہی کی غرض سے اس زیارت کی نیت کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قرب فرائض ونوافل کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق کیا جانے والا عمل آپ ﷺ کو بہت زیادہ محبوب ہے۔ یہ زیارت بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور آپ ﷺ نے اس کی ترغیب بھی دلائی ہے

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ : الْمَسجِدِ الْحَرَامِ ، وَمَسْجِدِ الرَّسُولِ ﷺ وَمَسْجِدِ الاَقْصٰی (بخاری:1189)

''مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کے علاوہ کسی مسجد کے لیے رختِ سفر مت باندھا کرو۔''

مدینہ طیبہ پہنچ کر پاک ہونا، خوشبو لگانا اور بہترین لباس پہننا زائر کے لیے مستحسن ہے کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف:31)

''اے اولادِ آدم! ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔''

اس کے بعد وہ مسجدِ نبوی میں آئے گا اور دائیں قدم کے ساتھ اس میں داخل ہوگا کہ تمام مسجدوں میں دائیں پاؤں داخل ہونا ہی سنت ہے۔

عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَتْ : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَقُوْلُ : بِسْمِ اللّٰهِ ، وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِی ذُنُوبِی وَافْتَحْ لِی أَبْوَابَ رَحْمَتِکَ (ابن ماجہ:771)

رسول اللہ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو فرماتے تھے: **بِسْمِ اللّٰهِ ،وَالسَّلَامُ عَلَی رَسُولِ اللّٰهِ . اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِی ذُنُوبِی وَافْتَحْ لِی أَبْوَابَ رَحْمَتِکَ** '' اللہ تعالیٰ کے نام سے داخل ہوتا ہوں اور اللہ کے رسول ﷺ پر سلام ہو۔ اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔''

اس کے بعد اگر کسی نماز کا وقت ہے تو جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرے گا ورنہ روضۂ مبارک یا مسجد کے کسی حصے میں تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں جائز وقت میں ادا کرے گا۔ اس کے بعد حجرہ شریف کے پاس آئے گا اور اس کی جانب منہ کر کے ان الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیۂ سلام پیش کرے گا:

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، السلام علیک یا رسول اللہ ، السلام علیک یا نبی اللہ ، السلام علیک یا اکرم الخلق علی اللہ

اور بارگاہِ حضور ﷺ میں ان الفاظ کے ساتھ ہدیۂ درود پیش کرے گا:

صلی اللہ علیک وعلی آلک وازواجک وذریاتک اجمعین وبارک علیک وعلی آلک وازواجک وزریاتک اجمعین ، کما صلی وبارک علی ابراھیم وآل ابراھیم فی العالمین انہ حمید مجید ، صلی اللہ علیہ افضل صلاۃ واطیبھا واتمھا وازکاھا .

''اللہ تعالی آپ پر، آپ کی تمام آل پر، آپ کی تمام ازواج پراور آپ کی تمام اولاد پر رحمتیں نازل فرمائیں اور اللہ تعالی آپ پر، آپ کی تمام آل پر، آپ کی تمام ازواج پر اور آپ کی تمام اولاد پر برکتیں نازل فرمائیں جیسے اللہ تعالی نے تمام دنیا میں ابراہیم علیہ السلام اور آلِ ابراہیم علیہ السلام پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تعریف والا، بزرگی والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر افضل ترین، پاکیزہ ترین اور مکمل ترین رحمتیں نازل کریں۔''

اس کے بعد تھوڑا دائیں جانب ہوکر جنابِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کرے گا:

السلام علیک ابا بکر الصدیق ، صفی رسول اللہ ، وثالثہ فی الغار ، جزاک اللہ عن امۃ محمد خیراً .

''ابوبکر! آپ پر سلام ہو، آپ رسول اللہ ﷺ کے چنیدہ ہیں، غار میں ان دو کے تیسرے ہیں، اللہ تعالی آپ کو آقائے محمد ﷺ کی امت کی جانب سے بہترین جزا دیں۔''

اس کے بعد تھوڑا مزید دائیں جانب ہوکر جنابِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حضور میں سلام پیش کرے گا:

السلام علیک عمر الفاروق ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جزاک اللہ عن امۃ رسول اللہ ﷺ خیراً

''عمر فاروق! آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی، اس کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آقائے محمد ﷺ کی امت کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائیں۔''

اپنی دُعا میں مسجدِ نبوی کی زیارت اور رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام کو اگر وہ وسیلہ بنانا چاہتا ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے کیونکہ یہ زیارت اور یہ سلام شرعی عبادت کا درجہ رکھتی ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالی کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ درود وسلام کے بعد مسجد میں کسی جگہ پر بھی بیٹھ کر یا کھڑا ہو کر قبلہ رُو ہو جائے گا اور کسی پسندیدہ دُعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دستِ سوال دراز کرے گا۔ بہت امید ہے کہ اللہ تعالی اس کی دُعا قبول فرمائیں گے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ دُعا میں اعتدال ہو کیونکہ دُعا میں انتہا سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (الاعراف:55)

''تم اپنے رب کو چپکے چپکے عاجزی کے ساتھ پکارا کرو، وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔''

دُعا میں انتہا کا مطلب یہ ہے کہ وہ انبیاء ورسل علیہم السلام کے درجات ومنازل پر فائز ہونے کا سوال کرتا ہے یا ایسی چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے جس میں اللہ تعالی کی سنت یہ ہے کہ وہ کسی خاص سبب کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ہے۔ وہ نہ اسباب تلاش کرتا ہے اور نہ ہی اس کی تیاری کرتا ہے مگر دُعائیں مانگنے جا رہا ہے مثلاً وہ اللہ تعالی سے اولاد کا سوال کرتا ہے مگر اس نے شادی نہیں کی ہے یا وہ دشمن پر غلبہ پانے کی دُعا کرتا ہے مگر نہ ان سے جنگ کی تیاری کرتا ہے، نہ خود کو ان سے قتال پر آمادہ کرتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جو چیزیں اسباب سے تعلق رکھتی ہیں جب تک وہ سبب پیدا نہ ہو جائے یا اس کے مقدمات قائم نہ ہو جائیں اس کی دُعا نہیں کرنا چاہئے ورنہ دُعا میں یہ انتہا ہے جس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

مدینۂ طیبہ میں دیگر مقدس مقامات

مدینۂ طیبہ میں مسجدِ نبوی کے علاوہ بھی بعض مقدس مقامات پائے جاتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

1: مسجدِ قباء

مسجد قباء بھی شرف وفضیلت رکھتی ہے۔ یہ مسجد اور اس کے نمازی قرآنِ حکیم میں تعریفی کلمات کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔اس کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸ (التوبہ:108)

''وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو وہی اس لائق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل کی رو سے اس کی زیارت کرنا مسنون ہے۔آپ ﷺ پیدل یا سوار اس کی زیارت کے لیے وقتاً وقتاً تشریف لے جایا کرتے تھے اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہ عمل تھا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ اَتٰى مَسْجِدَ قُبَاءٍ فَصَلّٰى فِيْهِ صَلَاةً كَانَ لَهُ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ (ابن ماجه:1412)

''جو شخص اپنے گھر سے اچھی طرح پاک صاف ہو کر مسجدِ قباء میں نماز کی غرض سے آتا ہے،اس کو عمرہ کے برابر ثواب ہوتا ہے۔''

چنانچہ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مسجدِ نبوی کی زیارت سے بہرہ مند کیا اور انتہائی قریب سے رسول اللہ ﷺ کو سلام پیش کرنے کے شرف سے نوازا ہے یعنی وہ مدینۂ طیبہ میں قیام پذیر ہے،اس کی برکات سے حظ اٹھاتا اور اس کے مقامات کا نظارہ کرتا ہے،اسے کسی صورت بھی مسجدِ قباء کی زیارت کرکے اور اس میں نماز پڑھ کے اس اجر کے حصول سے محروم نہیں رہنا چاہیے

جس کا ثواب مذکورہ حدیث کی رُو سے ایک عمرہ کے برابر ہے مگر اپنے شہر سے خاص قباء کے لیے رختِ سفر باندھنا بہر حال جائز نہیں ہے بلکہ حدیثِ رسول ﷺ میں اس سے منع کیا گیا ہے:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ (بخاری:1189)

''تین کے علاوہ کسی مسجد کے لیے رختِ سفر مت باندھا کرو۔''

ان تین مساجد میں مسجد قباء شامل نہیں ہے۔شریعت نے جو چیز مقرر کی ہے اس میں ہمارے لیے وسعت رکھ دی ہے اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے ہمیں بے نیاز کر دیا ہے لہٰذا ہمیں مشکل برداشت کر کے تکلفاً ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہئے۔یہ عجیب بات ہے کہ بے شمار فرائض وواجبات کی ادائیگی میں ہم تاخیر کرتے ہیں اور عظیم ترین فضائل ومستحبات کی بجا آوری کے قریب تک نہیں جاتے ہیں لیکن اس قسم کے معاملات میں ناجائز افعال پر عمل داری کا ہمیں شوق چرا تا ہے۔بلاشبہ ممنوع چیزیں انسان کو زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہیں۔

2:شہداء

رسول اللہ ﷺ کے چچا شہداء کے سردار جناب حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور دیگر شہدائے اُحد کی زیارت کرنا بھی مسنون ہے۔

عَنْ رَبِيْعَةَ يَعنِى ابنَ الْهُدَيْرِ ، قَالَ : مَا سَمِعْتُ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ حَدِيثًا قَطُّ غَيْرَ حَدِيْثٍ وَّاحِدٍ ، قَالَ : قُلْتُ : وَمَا هُوَ ؟ قَالَ : خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ نُرِيْدُ قُبُورَ الشُّهَدَآءِ حَتّٰى إِذَا اَشْرَفْنَا عَلَى حَرَّةِ وَاقِمٍ ، فَلَمَّا تَدَلَّيْنَا مِنْهَا فَاِذَا قُبُورٌ بِمَحْنِيَةٍ ، قَالَ : قُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ! أَقُبُورُ اِخْوَانِنَا هٰذِهٖ ؟ قَالَ : '' قُبُورُ اَصحَابِنَا '' ، فَلَمَّا جِئْنَا قُبُورَ الشُّهَدَاءِ ، قَالَ : '' هٰذِهٖ قُبُورُ اِخْوَانِنَا '' . (ابوداؤد:2043)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں ربیعہ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں، میں نے طلحہ بن عبیداللہ کو رسول اللہ ﷺ سے ایک ہی حدیث بیان کرتے سنا ہے۔شاگرد نے کہا کہ میں نے پوچھا: وہ کون سی؟ کہا: رسول اللہ ﷺ ایک دن شہداء کی قبروں پر جا رہے تھے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے حتیٰ کہ حرہ کے ایک قلعہ پر ہم متوجہ ہوئے اور ہم نے دیکھا کہ وادی کے ایک جانب کچھ قبریں تھیں۔ہم نے پوچھا:

یارسول اللہ ﷺ! کیا ہمارے بھائیوں کی قبریں یہی ہیں؟ فرمایا: یہ ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں۔ اور جب ہم اُحد میں شہداء کی قبروں پر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہمارے بھائیوں کی قبریں یہ ہیں۔''

فعلِ رسول ﷺ کی اتباع میں کسی وقت کوئی زائر یا مدنی اگر شہدائے اُحد کی زیارت کرتا، ان کے حق میں دُعا مانگتا یا ان کو سلام کہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ اس زیارت میں جو قدم اٹھائے گئے ہیں یا جو دُعائیں کی گئی ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید کی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں یہاں سے واپسی پر ایک قسم کی نصیحت اور موت کی فکر انسان کے دامن گیر ہو جاتی ہے اور زیارتِ قبور کا فلسفہ یہی بیان کیا گیا ہے کہ اس سے موت یاد آ جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہے۔

قَدْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ ، فَقَدْ اُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ اُمِّهٖ ، فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ (ترمذی:1054)

''میں نے تمہیں قبروں پر جانے سے منع کیا تھا۔ اب محمد ﷺ کو اپنی ماں کی قبر پر جانے کی اجازت مل گئی ہے لہٰذا تم بھی قبروں پر جایا کرو اس سے آخرت یاد آتی ہے۔''

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص آخرت کو یاد کرتا ہے اس کی طبیعت نرم ہو جاتی ہے، اس کا دل صاف ہو جاتا ہے، اس کی سوچ پاکیزہ بن جاتی ہے، دل سے مال کی محبت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور نفس کی شہوت دَم توڑ جاتی ہے۔ قبروں کی زیارت سے جب اتنے فوائد حاصل ہوتے ہیں کہ جن کے حصول میں آج کے جامعات و مدارس اور تربیتی قوانین قریب قریب ناکام ہو چکے ہیں تو رسول اللہ ﷺ اس کو جائز کیوں نہ کہتے! بلکہ خود اس کی ترغیب کیوں نہ دیتے! حالانکہ آپ ﷺ ایک عظیم ترین مربی اور بے مثال معلم تھے؟

3: اُحد

مدینۂ طیبہ کا ایک مقدس مقام اُحد بھی ہے۔ یہ ایک بلند و بالا پہاڑ ہے جو مدینۂ طیبہ کے شمال مشرقی جانب میں پھیلا ہوا ہے۔ اس پہاڑ سے شہر کے ہیبت و جلال اور بہجت و جمال میں اضافہ ہوتا ہے۔ اُحد کا پہاڑ واحدانیت سے مشتق ہے جو زائر کو وصالِ قریب کی خوشخبری سناتا اور عاشق کو انتہائے مقصود کے حصول پر مبارک باد پیش کرتا ہے۔ اُحد وہی پہاڑ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے تین خلفاء: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب اس پر چڑھے تھے تو فرحت و انبساط کے ساتھ یہ جھوم اٹھا تھا اور اس کی حرکت و اضطراب پر رسول اللہ ﷺ رک گئے اور پاؤں سے ٹھوکر مار کر فرمایا:

اُثْبُتْ اُحُدُ فِاِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِیٌّ وَصِدِّیْقٌ وَشَہِیْدَانِ (بخاری:3675)

''سکون کر! اس وقت تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں۔''

جبلِ اُحد کی فضیلت میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث بھی موجود ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب موطا میں جنابِ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب جبلِ احد دکھائی دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ھَذَا جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّہُ (مؤطا امام مالک :1583)

''یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''

ایک روایت میں یہ ہے: ''احد جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے وہ ہم سے محبت کرتا، ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' (طبرانی:18/17 حدیث:19 یہ حدیث ضعیف ہے۔)

ایک تیسری روایت میں ہے:

اُحُدٌ رُکْنٌ مِنْ اَرْکَانِ الْجَنَّةِ

''احد جنت کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے۔'' (طبرانی:151/6 حدیث:5813 یہ حدیث ضعیف ہے)

(حاشیہ: پہلی روایت میں محبت کی حدیث صحیح ہے لیکن دوسری اور تیسری روایت میں جنت کا پہاڑ یا جنت کا ستون کے الفاظ ثابت نہیں ہیں۔)

لیکن قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ ایسے افراد کی تعداد بہت ہی کم ہے جو اس مقصد کے لیے اُحد پر جاتے ہیں بلکہ اکثریت ان حضرات کی ہے جو یہاں اُحد کی جاہ سے شفا، دُعا اور حاجت طلب کرنے آتے ہیں حالانکہ اس پہاڑ کا کیا جاہ و مرتبہ ہو سکتا ہے؟ حتیٰ کہ دیگر آثارِ مقدسہ اور مقاماتِ اسلامیہ کی مانند اُحد بھی توحیدِ الٰہی کے لیے ایک فتنہ بن گیا ہے اور شیطان نے اہلِ ایمان کو شرک میں مبتلا کر رکھا ہے جو ایمان کی روح، اسلام کی حقیقت، اِخلاص کی طاقت اور احسان کی دولت ان سے چھین رہا ہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

4: قبرستانِ بقیع

ہمارا ایمان ہے کہ مومنین صالحین کی قبریں ان کے لیے جنت کا باغ بنادی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ مدینہ اس قبرستان کے بارے میں کہتے ہیں: ''بقیع دنیا کی جنت ہے۔'' جنت البقیع کے تعارف کے لیے اس کے بعد ہمارے پاس الفاظ

نہیں رہ جاتے کیونکہ اہلِ مدینہ کی اس عبارت نے تعبیر کا حق ادا کر دیا ہے۔

یہ وہ قبرستان ہے جہاں دس ہزار سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آسودۂ خاک ہیں۔کم وبیش اتنے ہی تابعینِ عظام یہاں محوِ استراحت ہیں اوراس سے کئی گنا زیادہ سابقینِ اولین اور صالحینِ آخرین کی آخری آرام گاہ ہے۔لہٰذا انسانیت کی اس آخری خواب گاہ کی زیارت سے کون انکار کرسکتا ہے جس نے بڑے بڑے اشرافِ امت اور نامی گرامی ساداتِ قوم کو اپنی گود میں لے رکھا ہے؟ اور جہاں کی اکثریت ان اولیا وصلحا پر مشتمل ہے جن کی محبت کو اللہ تعالیٰ نے واجب کر دیا ہے؟

جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اس کو اپنے اولیاء سے محبت کی توفیق دیتا ہے۔لہٰذا اولیاء کرام کو تحائف پیش کرنا، ان کے گھر حاضر ہونا، ان کی اتباع کرنا، ان کی قبر کی زیارت کرنا، ان کے لیے رحمت ورضا کی دُعا کرنا اوران کو سلام کہنا ان سے محبت کا ایک علامتی مظہر ہے اوراس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایسی زیارت سراسر شریعت سے ثابت ہے، بدعت نہیں ہے بلکہ زائر کے لیے یہ بے شمار اجر وثواب کا باعث بنتی ہے کیونکہ زائر کی اولیاء سے محبت اوران کی زیارت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے لہٰذا وہ اس کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ (الکهف:30)

''یقیناً ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھے کام کریں۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو شخص مدینہ میں مقیم ہے خواہ زائر ہے یا مہاجر، اہلِ بقیع کی زیارت کرنا اس کے لیے مستحب ہے مگر اس زیارت کی شرط یہ ہے کہ وہ زیارت کے آداب وشروط سے آگاہ ہو ورنہ بہتر یہی ہے کہ وہ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا رہے کیونکہ جہلاء کی زیارت گناہوں کا سبب بنتی ہے جن میں سے بہت ہی کم شرک سے پاک ہوتی ہیں۔مرُدوں کے لیے دُعا کرنے کی بجائے وہ ان سے دُعا کرتے ہیں، مُردوں کے لیے رحمت کی امید کی بجائے وہ ان سے امید رکھتے ہیں اوراپنی دُعا وسلام کو رضائے الٰہی کا وسیلہ بنانے کی بجائے مرُدوں کی رضا کا وسیلہ بناتے ہیں تاکہ ان مُردوں کے ذریعے سے ان زندوں کی حاجتیں پوری ہوسکیں۔لہٰذا ایسی زیارت بدترین زیارت اور کبیرہ ترین گناہ ہے۔یا اللہ! تمام مردوں اور زندوں کو معاف فرما۔(آمین)

زیارتِ قبور کے آداب و شرائط

شرائط

1: زائر کے شہر میں یا شہر کے نواح میں وہ قبر واقع ہونی چاہیے لیکن قبر اس قدر اگر دور ہے کہ وہاں جانے کے لیے باقاعدہ سواری اور زادِ راہ کا بندوبست کرنا پڑتا ہے، اس کی زیارت کسی حال میں جائز نہیں ہے کیونکہ اس زیارت کا حکم نہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، نہ ہی اس پر قرآن نازل ہوا ہے اور نہ ہی سنتِ رسول ﷺ میں اس کی دلیل پائی جاتی ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تاکید کے ساتھ ہمیں اس سے منع کر دیا ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں نفی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جو فنِ بلاغت کے ماہرین کے نزدیک کسی چیز کو حرام قرار دینے میں صیغۂ نہی سے بھی زیادہ وزن رکھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ (بخاری:1189)

''تین کے علاوہ کسی مسجد کے لیے رختِ سفر نہیں باندھنا چاہیے۔''

اس فرمانِ پاک کی رُو سے قبر کی زیارت کا تو کیا ذکر کسی مسجد کے لیے رختِ سفر باندھنے کا بھی جواز تک باقی نہیں رہتا!

2: اس زیارت میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید ہونی چاہیے کیونکہ زائر نے اولیاء اللہ کی زیارت کے ساتھ ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دُعا بھی کی ہے۔

3: اپنے یا کسی دوسرے کے لیے دُعا کی غرض سے وہاں نہیں جانا چاہیے اور نہ ہی اصحابِ قبور کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانا چاہیے اور وہاں جا کر کوئی فرض یا نفل نماز پڑھنا بھی مقصد نہیں ہونا چاہیے۔

4: قبر پر کوئی چراغ یا بتی نہیں جلانا چاہیے، نہ ہی تبرک کی وہاں سے مٹی حاصل کرنا چاہیے، نہ ہی قبر کو چھونا چاہیے، نہ ہی اس کو بوسہ دینا چاہیے اور نہ ہی صاحبِ قبر کے لیے یا اس کے نام کے ساتھ یا اس کی قبر کے پاس کوئی جانور ذبح کرنا چاہیے۔

آداب

1: قبر کی بار بار زیارت نہیں کرنی چاہئے۔ کہیں یہ کثرتِ غلو کی حد تک نہ جا پہنچے جس کو دینِ اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

2: اہلِ قبرستان کو وہ سلام اور دُعا دی جائے جو رسول اللہ ﷺ سے مسنون ہے:

السَّلَامُ عَلَیْکُمْ أَهْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ،لَلَاحِقُونَ، أَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَةَ . (مسلم:2257)

''تم پر سلامتی ہو اے مومنوں اور مسلمانوں کے گھروں والے اور ہم تم سے ان شاء اللہ ملنے والے ہیں۔
ہم اپنے اور تمہارے لئے عافیت مانگتے ہیں۔''

اَلْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاخِرِیْنَ وَاِنَّااِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَلاَ حِقُوْنَ (مسلم:2256)

''ہم میں سے آگے جانے والوں پر، ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔''

اَللّٰهُمَ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ (ابن ماجه:1546)

''اے اللہ ہمیں ان (پر صبر) کے ثواب سے محروم نہ رکھنا اور ان (کی وفات) کے بعد ہمیں آزمائش میں مبتلا نہ کرنا۔''

3: قبروں پر نہ ہی چلنا چاہئے اور نہ ہی ان پر بیٹھنا چاہئے۔

4: قبروں پر بدعات سے بچنا چاہئے مثلاً دائرہ بنا کر قرآنِ حکیم کی تلاوت کرنا یا آہ و بکا کرنا، کھانا تقسیم کرنا یا وہیں بیٹھ کر کھانا وغیرہ۔

5: قبر کے پاس ہر قسم کے کھیل کود یا ہنسی مذاق سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ اس سے خشیتِ الٰہی اور موت کی یاددہانی میں بہرحال نقص واقع ہوتا ہے۔

زیارتِ قبور کی حکمت

دینِ اسلام کی تنظیم وتہذیب سے قبل قبروں کی زیارت کا بنیادی محرّک اعزہ واقارب سے جدائی کا حزن وملال ہوا کرتا تھا اور قبروں کے موقع پر آہ بکا کرنا، قدیم وجدید تمام قبائل وامم میں مشہور تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ خالصتاً ایک دینی تقاضا بن کر رہ گیا۔ چنانچہ اب قبروں پر اپنا غم غلط کرنے یا صاحبِ قبر سے تعلق کے شوق میں نہیں جایا جاتا تھا بلکہ صاحبِ قبر

کے قرب کے حصول اور اپنی حاجت کی طلب کی غرض سے زیارتِ قبور کا قصد کیا جانے لگا کیونکہ عوام الناس کے اعتقاد کے مطابق وہ ہستی ایک غیبی قسم کی قوت وصلاحیت کی مالک ہوتی تھی لہٰذا ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس مقام ومرتبہ سے وہ اس کے محتاج تھے۔ چنانچہ وہ قبر میں دفن شدہ کو اپنے اصلاحِ احوال کا وسیلہ بنایا کرتے تھے اور بسا اوقات صاحبِ قبر کی یہ سفارش ووسیلہ خاص عبادت کی شکل اختیار کر جاتی اور اب لوگ براہِ راست صاحبِ قبر سے دُعائیں مانگا کرتے، اسی کے لیے جانور ذبح کیا کرتے اور اسی کا قرب تلاش کیا کرتے تھے۔ قرآنِ حکیم میں قوم نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو وَد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی عبادت کیا کرتی تھی۔ ہماری بات کی صداقت میں یہ حقیقت ہی کافی ہے اور یہ ہمارا آج کا مشاہدہ ہے کہ عیسائی اگر صلیب کی پوجا کر رہے ہیں تو بعض مسلمان قبروں اور مزاروں کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ نام نہاد مسلمان اصحابِ قبور کا وسیلہ پکڑتے ہیں، ان کی سفارش طلب کرتے ہیں، ان سے دُعائیں کرتے ہیں، ان سے مدد مانگتے ہیں، ان کے لیے جانور قربان کرتے ہیں، اور ان کے نام کی قسمیں کھاتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی عبادت کی کئی صورتیں ہیں جو ان کے لیے بجالائی جاتی ہیں اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں یہ حکمت معلوم ہوجاتی ہے کہ ابتدائے اسلام میں رسول اللہ ﷺ نے زیارتِ قبور سے کیوں منع کیا تھا؟ اور وہ حکمت تھی: ''امت کے فتنۂ شرک میں مبتلا ہوجانے کا خوف'' مگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آ کر رہی اور رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئی بالکل سچ ثابت ہوئی۔

لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ (بخاری:3456)

''تم پہلی اقوام کی ہاتھ برابر ہاتھ اور بالشت برابر بالشت ہر کام میں پیروی کرو گے۔''

چنانچہ آپ ﷺ نے زیارتِ قبور کی اجازت مرحمت فرما دی مگر یہ اجازت بھی خاص مردوں کے لیے تھی کہ عورتوں کا قبرستان میں جانا پھر بھی آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا کیونکہ عورتوں کی بہ نسبت مردوں کی عقل زیادہ کامل اور ارادہ مضبوط ہوتا ہے۔

چنانچہ جس فتنۂ شرک کا آپ ﷺ کو خوف تھا اور جس خطرے سے آپ ﷺ نے خبردار کیا تھا، امت میں وہ ظاہر ہو کر ہی رہا اور مزاروں پر سالانہ عرس کا باقاعدہ اہتمام ہونے لگا۔ یہ اہتمام ان تہواروں کے بالکل مشابہ ہے، بت پرست قوم اپنے معبودوں کے لیے جن کا انعقاد کرتی ہے اور آج حالات یہ ہیں کہ اصحابِ قبور کے نام پر گائیوں اور بکروں کو ذبح کیا جاتا ہے، کھیتوں اور جانوروں میں ان کا ایک خاص حصہ مقرر کیا جاتا ہے، ان کے نام کی نذریں مانی جاتی ہیں، بیٹوں اور بیٹیوں کے نام ان کی جانب منسوب ہوتے ہیں اور آفات وامراض سے شفا کے لیے ان کے پاس آیا جاتا ہے۔

اس انسانی عادت کی تہذیب وتنظیم دینِ اسلام نے اس انداز میں کی ہے کہ زیارتِ قبور کی ایک حکمت مقرر کردی ہے۔ لہٰذا اسی مقصد کے لیے ہمیں قبروں پر جانا چاہئے کہ اسلام نے اس زیارت کو ذکرِ موت اور فکرِ آخرت کا ذریعہ بنایا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تزکیۂ نفس اور تطہیرِ روح کے لیے انسانی فطرت اور بشری شعور کی تہذیب وترقی کے بنیادی عوامل یہی دو ہیں۔

بالکل ایسے ہی زیارتِ قبور کو زندہ اور مردہ کے درمیان نفع رسانی کا ذریعہ بھی بنایا گیا ہے۔ چنانچہ مردہ کے حق میں کوئی نیک دُعا قبول ہوجاتی ہے جو اس کے درجات کی بلندی کا باعث بنتی ہے یا اس کی بنا پر کئی سال کا عذاب ہلکا کردیا جاتا ہے جب کہ مردہ کے لیے دُعائے رحم اور طلبِ مغفرت کی وجہ سے زندہ شخص کو بھی محسنین جیسا ثواب اور عاملین جیسا اجر مل جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جب وہ قبرستان سے واپس آتا ہے تو حیاتِ فانی کا تصور اس کی نگاہ میں بدل چکا ہوتا ہے اور اب وہ حیاتِ اُخروی کے لئے توشہ تیار کرتا ہے۔ یہ وہ زندگی ہے جس کی حقیقت اس کے شعور میں پختہ ہوجاتی اور جہاں جانے کا اب وہ پکا ارادہ کر بیٹھا ہے اگرچہ اپنے قریبی دوست کی قبر پر اس کا دل حزن وملال سے بھر گیا تھا۔

زیارتِ قبور کی حکمت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1: زیارتِ قبور سے آخرت یاد آتی ہے جو انسان کو توشہ کے لیے ایمان وعمل پر آمادہ کرتی ہے۔

2: زیارتِ قبور سے موت یاد آجاتی ہے، اس سے نفس مہذب بنتا، شدتِ طبع میں تخفیف ہوتی اور شہوات کے اسباب کم ہوجاتے ہیں۔

3: اصحابِ قبور کو دُعا واستغفار اور رحم وسلام سے فائدہ پہنچتا ہے۔

4: زائر کو اس دُعا، سلام اور استغفار پر اجر سے نوازا جاتا ہے۔

یہ زیارتِ قبور کی چند حکمتیں ہیں لہٰذا قبرستان میں جاتے وقت یہی پیشِ نگاہ ہونی چاہئیں اور جو شخص ان کے علاوہ کسی اور مقصد سے قبرستان جاتا ہے بلاشبہ واپسی پر وہ گناہ خرید لاتا ہے لیکن اجر نہیں پاتا اور اس نے اپنے نفس کو پراگندہ کردیا ہے مگر اس کو پاکیزہ نہیں کرسکا اور یہ اتنا بڑا نقصان ہے کہ اس کا خمیازہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کتنا ہوگا؟

اختتام

میں نے حج، عمرہ اور زیارت کے احکام پر مبنی جس کتاب کی تصنیف کا ارادہ کیا تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل وعنایت سے وہ مکمل ہو چکی ہے جو ان احکام کی اکثر حکمتیں بیان کرتی اور ان کی ادائیگی کے بعض اسرار کی جانب بھی اشارہ کرتی ہے۔ یہ کتاب اگر چہ کافی مسائل پر مشتمل ہے تاہم بہت سے مسائل اور بھی ہیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لہٰذا جن کو بیان کر دیا گیا ہے، مقصد کے لحاظ سے اتنے مسائل کافی سمجھے جائیں۔ کتاب کے احکام ومسائل میں صحیح مؤقف تک رسائی کے لیے میں نے اپنی مکمل کاوش کی ہے اس کے باوجود یہ کتاب سہو وخطا سے بہر حال پاک نہیں ہے۔ البتہ میری تسلی کا سامان اس فرمانِ رسول ﷺ میں ہے کہ جس نے اجتہاد کیا اور اس میں درست پہنچا اس کے لیے دو اجر ہیں اور جس نے اجتہاد کیا اور اس میں خطا کھائی اس کے لیے ایک اجر ہے۔ چونکہ ہر حال میں اجر میرا مقدر ہے لہٰذا میں غمگین نہیں ہوں۔

میں بارگاہِ الٰہی میں دست بدُعا ہوں کہ وہ اس کتاب کو میرے تمام بھائیوں کے لیے مفید بنائیں اور اس کو خالص اپنی رضا کے لیے قبول فرمائیں اور مجھے صالحین کی دُعائے رحمت سے محروم نہ رکھیں۔ (آمین)

وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین

درود شریف

رسول اللہ ﷺ پر درود کے صحیح ترین، کامل ترین اور افضل ترین الفاظ وہ ہیں جنہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے جناب کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ (بخاری:6357)

''یا اللہ! محمد ﷺ اور آلِ محمد ﷺ پر رحمتیں نازل فرما جیسے آپ نے ابراہیم علیہ السلام اور اولادِ ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی۔ بلاشبہ آپ تعریف والے بزرگی والے ہیں۔ یا اللہ! محمد ﷺ اور آلِ محمد ﷺ پر برکتیں نازل فرما جیسے آپ نے ابراہیم علیہ السلام اور اولادِ ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی۔ بلاشبہ آپ تعریف والے بزرگی والے ہیں۔

والحمد للہ اولاً و آخراً